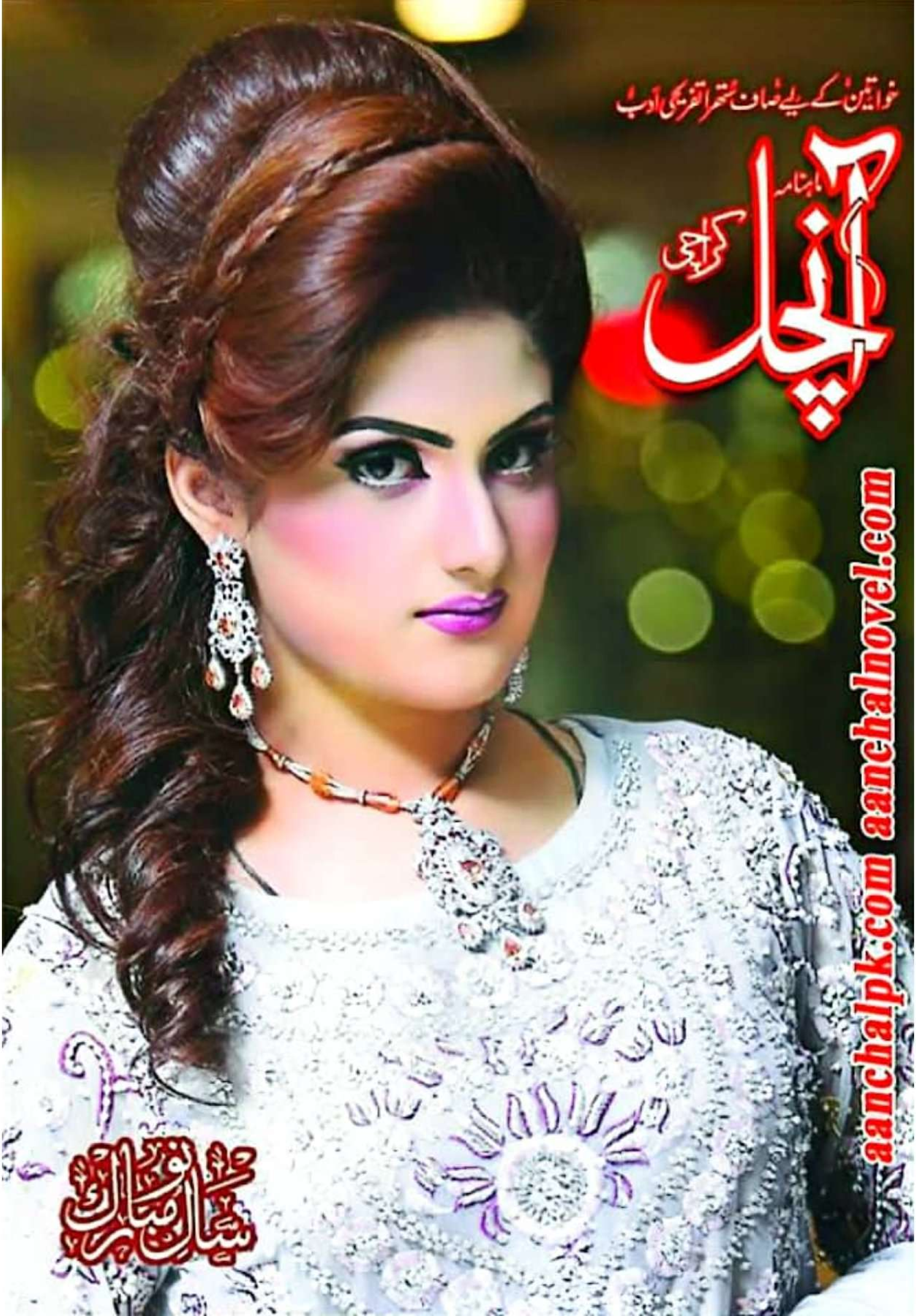
خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب
ماہنامہ
آنچل
کراچی
aanchalnovel.com
aanchalpk.com
سالِ نو مبارک

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

Digest Novels Lovers Group ❤❤

زرد محبت

ماورا طلحہ

مت پوچھ صبر کی انتہا کہاں تک ہے
تو ستم کرلے جہاں تک تیری طاقت ہے
وفا کی امید کسی اور کو ہوگی
ہم کو تو دیکھنا ہے تیری نگاہ کہاں تک ہے

جون کی تپتی دوپہر تھی۔ دور دور تک کسی ذی روح کا نام و نشان نہیں تھا۔ اسے آج کا دن ہی منحوس لگ رہا تھا' ایک تو آج اکیلے کالج آنا پڑا اور اب کب سے بس اسٹاپ پہ کھڑی بس کا انتظار کر رہی تھی مگر جو بس بھی ملتی اس میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی۔ کالج سے چل کے مین روڈ تک آنا ہی جان جوکھم کا کام تھا اور سونے پہ سہاگا سواری بھی ملنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

بس اسٹاپ پہ کھڑے تقریباً پندرہ منٹ گزر چکے تھے' گرمی کی شدت سے سفید رنگ کملا گیا تھا۔ اس نے آنکھوں پہ ہاتھ کا چھجا بناتے ہوئے آسمان کی طرف متلاشی نظروں سے دیکھا کہ شاید قسمت یاوری کر جائے اور کہیں سے بادل کا ٹکڑا آگ کے گولے کو ڈھانپ لے مگر دور دور تک ایسا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے دوبارہ سے نظریں ویران سڑک پہ جما دیں۔ آفتاب کی تپش برداشت سے باہر تھی اور پیاس کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے بس کی امید چھوڑی اور پیدل چلنا شروع کر دیا' ایسے تو وہ ایک گھنٹہ بھی کھڑی رہتی تو بس نہیں ملنی تھی۔ اب تو وہ کالج آنے پر ہی پچھتا رہی تھی۔

''اللہ جی کوئی معجزہ کر دیں ورنہ میں اس ویران سڑک پہ پیاس سے ہی مر جاؤں گی۔'' وہ دل ہی دل میں دعا مانگتی چل رہی تھی۔

بیگ کو ایک کندھے سے دوسرے پہ منتقل کرتے' دوپٹے کے پلو سے پیشانی پہ آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے وہ اپنی روڈ کی سمت مڑی ہی تھی کہ ایک بائیک اس کے پاس آن رکی۔ اس نے گھبرا کے دوسری طرف دیکھا مگر سامنے زیب منصور کڑی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ وہ اس کی پیشانی کے بل دیکھ کر خائف تو ہوئی مگر دل کو ڈھارس ملی۔

''تم سے تھوڑا انتظار نہیں ہوتا یا پیدل مارچ کرنے کا زیادہ ہی شوق ہے؟''

''مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ لینے آئیں گے۔'' لائبہ نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

''اب بیٹھ بھی جاؤ...... کیا باقاعدہ دعوت نامہ دینا پڑے گا؟''

''جی بیٹھ رہی ہوں۔'' بیگ اور فائلز ایک ہاتھ میں پکڑے اور دوسرا ہاتھ زیب منصور کے کندھے پہ رکھتے ہوئے بائیک پہ بیٹھ گئی۔

''ایک کال کرنے کی زحمت گوارا کر لیتی تو یوں خوار نہ ہوتی۔'' وہ بائیک کو چلانے کی بجائے اڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''بیلنس نہیں تھا۔'' زیب منصور کے کندھے کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے اس نے ڈرتے ہوئے جواب دیا۔

''تو ایڈوانس لے لیتی۔'' بائیک کی رفتار اور تیز ہوئی۔

''وہ بھی لے چکی تھی۔'' اس کے سوال جواب ختم ہونے میں نہیں آ رہے تھے اور بائیک کی رفتار لائبہ کی سانس خشک کیے دے رہی تھی۔

''زیبی بھائی...... بائیک آہستہ چلائیں' مجھے ابھی مرنے کا کوئی شوق نہیں۔'' وہ پیچھے سے چلاتے ہوئے بولی۔

''تم جیسی کنجوس نے زندہ رہ کے بھی کیا کرنا ہے؟'' زیب منصور شاید اسے سزا دینے پہ مائل تھا۔

سوکھے حلق میں ڈر کی شدت سے کانٹے اگ آئے تھے۔ اس نے زور سے آنکھیں میچیں اور زیب منصور کے چوڑے کندھے پہ سر ٹکا دیا۔

''اللہ جی...... آج میں زندہ گھر پہنچ گئی تو پورے دس نفل پڑھوں گی۔'' وہ اونچی آواز سے دعائیں مانگنے لگی تو زیب منصور نے رفتار آہستہ کر دی۔ یقیناً اتنی سزا کافی تھی۔

گھر پہنچتے ہی اس نے بائیک سے چھلانگ لگائی' زیب منصور کو کچا کھا جانے کی خواہش دل میں دباتے ہوئے صرف چمچماتی بائیک پہ کڑی نظر ڈالی اور اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئی۔

وہ سو کر اٹھی تو دوپہر ڈھل چکی تھی مگر تپش کا راج ابھی تک قائم تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر کچن کا رخ کیا کیونکہ بھوک برداشت سے باہر ہو چکی تھی۔

''کچھ کھانے کو ملے گا؟'' کچن میں داخل ہوتے ہی بھابی نظر آئیں تو اس نے جھٹ سے پوچھ لیا کیونکہ خود کچھ پکانا اس کی مشہور زمانہ سستی کے خلاف تھا۔

''ہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے مائدہ بریانی دے کر گئی ہے' تم بنا کچھ کھائے سو گئی تھی تو میں نے تمہارے لیے رکھ دی' مائیکرو میں گرم کر لو اور رائتہ بنا لو۔'' اس نے بے بس نظروں سے بھابی کو دیکھا جو جاتے ہوئے بھی دو کام بتا گئی تھیں۔ اب مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اسے یہ دونوں کام خود ہی کرنے تھے۔ اس نے کھانا گرم کیا اور ٹی وی لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی۔

''آج تم زیبی کے ساتھ آئی ہو؟'' بھابی واصل کو اٹھائے اس کے پاس ہی آ بیٹھی تھیں۔

''جی...... بس نہیں ملی تو آدھا راستہ پیدل چلی' راستے میں زیبی بھائی مل گئے تو ان کے ساتھ آ گئی۔'' بریانی کھاتے ہوئے

اس نے بھابی کو جواب دیا۔
"آج مائدہ کی خالہ آئی تھیں۔"
"جی اس نے بتایا تھا' اسی لیے آج کالج نہیں گئی۔" لائبہ پہلے ہی جانتی تھی۔
"اس کی خالہ شادی کی تاریخ طے کر گئی ہیں۔" بھابی نے سرسری سے لہجے میں بتایا مگر لائبہ کے تاثرات لاعلمی کا تاثر لیے ہوئے تھے۔
"کیا مائدہ نے تمہیں نہیں بتایا؟" بھابی نے حیرانی سے پوچھا۔
وہ دونوں یک جان دو قالب مشہور تھیں اور اتنی بڑی بات سے بے خبری کی انہیں امید نہیں تھی۔ وہ تو لائبہ سے معلومات لینا چاہتی تھیں اور وہ بات کی الف ب سے لاعلم تھی۔
"زیب نے بھی نہیں بتایا؟" اس کی لاعلمی بھابی کو ہضم نہیں ہو رہی تھی۔
"زیبی بھائی کا بس چلے تو وہ مجھے ایسی جگہ پھینک دیں جہاں مجھے اپنی خبر نہ ملے۔" اس نے دکھ سے بریانی کی پلیٹ پرے کھسکائی' اب کہاں کی بھوک اور کیسی بھوک؟
"اچھا...... اب کھانا تو کھالو اس میں پریشانی والی کون سی بات ہے۔ مائدہ تمہارا پوچھ کر گئی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ آرام سے بتانا چاہتی ہو۔" بھابی نے دوبارہ پلیٹ اس کے آگے کی۔
"نہیں' مجھے اب بھوک نہیں۔" اس کی بھوک واقعی اڑ گئی تھی۔
وہ ایک دوسرے کے لیے کھلی کتاب تھیں۔ کتاب زندگی کے جس ورق کو کھولتیں اس پہ درج ہر سطر ان کے لیے شناسا سی تھی۔ چند ماہ کے وقفے سے دنیا میں آئیں مگر حد سے بڑھتی مماثلت انہیں جڑواں ثابت کرتی تھی۔ گھر میں سو مسئلے مسائل ہوں' دیورانی جیٹھانی میں تکرار ہو۔ جو بھی ہو جائے مائدہ اور لائبہ ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم تھیں۔ ان کی حد درجہ دوستی اور محبت کے درمیان کوئی دخل اندازی بھی نہیں کرتا تھا سوائے ایک شخص کے اور وہ زیب منصور تھا۔ مائدہ کا نرم دل بھائی اور لائبہ کا کھڑوس' ہٹلر اور شاہ جنات تایا زاد۔
"بھابی میں کمرے میں جا رہی ہوں' کوئی پوچھے تو کہہ دینا میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔" آنکھوں میں آئے آنسو پیتے ہوئے اس نے کمرے کا رخ کیا۔
"افففف۔ زیب الویں ہی اسے ملکہ جذبات نہیں کہتا' ذرا مرضی کے خلاف کچھ ہوا نہیں اور محترمہ کے نین چھلک پڑے۔ پتا نہیں عمر جیسے پریکٹیکل بندے کی بہن اتنی امیچور کیوں ہے؟" بھابی بڑبڑاتے ہوئے ٹیبل سے برتن اٹھانے لگی۔
کالج میں سارا دن لگاتار کلاسز لے کر دماغ کی چولیں ہل چکی تھی۔ آخری پیریڈ فری ملا تو اس نے کینٹین کی بجائے لائبریری کا رخ کیا' نفسیات سے متعلق کتاب نکالی اور نسبتاً کونے والی میز پہ بیٹھ گئی۔ وہ کچھ صفحات ہی پڑھ پائی کہ مائدہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ اسے نظر انداز کیے کتاب پڑھنے میں مگن رہی تو اس نے کتاب چھین لی۔
"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟" لائبہ نے حد درجہ تلخی سے پوچھا۔
"یہ ہی میں پوچھ رہی ہوں کہ تمہیں مسئلہ کیا ہے؟" مائدہ نے جواباً وہی سوال دہرایا۔
"میں تمہارے کسی سوال کی جواب دہ نہیں ہوں۔ برائے مہربانی مجھے تنگ نہ کرو۔" سابقہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھ گئی کیونکہ لائبریرین کی وارننگ دیتی نظریں کافی دیر سے ان دونوں کی طرف تھیں۔
"یار بتا تو دو وجہ کیا ہے؟ کل تمہاری طرف آئی تو تم حجرہ نشین ہو چکی تھی' اب صبح سے تمہارے پیچھے ہوں اور تمہارے نخرے ختم ہونے میں نہیں آرہے۔" وہ لائبریری سے نکل کر بھی اس کے پیچھے تھی۔
کل ڈھیروں مصروفیت کے باوجود دو دفعہ اس کی طرف چکر لگا چکی تھی۔ ایک دفعہ بریانی لائی تو وہ سوئی ہوئی تھی' دوسری دفعہ آئی تو کئی دفعہ دروازہ کھٹکھٹانے پہ بھی اس نے نہیں کھولا تھا اور اب صبح سے کالج میں اس کے پیچھے تھی۔
"لائبہ پلیز۔ مجھے ایسے اذیت نہیں دو' ایسی کون سی خطا ہوگئی کہ تم مجھ سے کلام کرنا پسند نہیں کر رہی...... میں تو تمہیں ایک گڈ نیوز سنانا چاہتی ہوں۔" مائدہ اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔
"تم اس کی زحمت نہیں کرو' گڈ نیوز مٹھائی کی صورت مجھے مل چکی ہے اور میں اسے ڈسٹ بن میں پھینک بھی چکی ہوں۔"
"میں خود لاعلم تھی یار...... جب پتا چلا تب تم کالج میں تھیں' میں تمہیں بتانے آئی تو تم نے دروازہ ہی نہیں کھولا۔" وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھائے پشیمانی سے وضاحت دے رہی تھی۔
"میں کیسے مان لوں کہ تم لاعلم تھی اور اگر ایسا تھا بھی تو

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

تمہارے شہزادے بھائی جان نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" وہ لائبہ قدیر تھی اور اسے سب سے زیادہ جاننے کا دعویٰ کرنے والی خود اس کے سامنے بے بس کھڑی تھی۔

"تم بھائی جان کو جانتی ہو کہ انہیں گھریلو معاملات میں ذرہ برابر دلچسپی نہیں' ان کے اپنے اتنے کام ہیں انہیں یاد نہیں رہا ہوگا۔" اس نے بھرپور طریقے سے بھائی کا دفاع کیا اور یہیں اس کا کیس بگڑا تھا۔

"تم نفسیات چھوڑ کر وکالت پڑھ لو اور اپنے بھائی کی وکیل بن جاؤ لیکن فی الوقت مجھے تم میں اور تمہارے بھائی نامے میں کوئی دلچسپی نہیں۔" اس نے بائیک کی رفتار کا جواب زبان کی رفتار سے دیا اور ایسا ہمیشہ سے ہوتا آیا تھا۔ زیب منصور کی بہن ہونے کا خراج بھی تو ادا کرنا تھا لیکن مائدہ مطمئن تھی۔ وہ ہمیشہ بھائی کا غصہ اس پہ نکال کے راضی ہو جاتی تھی اور مائدہ زیب منصور کے نادیدہ گناہ اپنے زمرے میں لے کر اسے عذاب لائبہ سے نجات دلا کے بہن ہونے کا حق ادا کر دیتی تھی۔

"چلو اب مان بھی جاؤ ناں۔" اس نے دوبارہ التجا کی۔

"دو دن سے پہلے مجھ سے بولنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد آنا سوچوں گی۔" مائدہ کو دو عدد چنگیزی نسل کی گھوریاں ڈال کر اس نے خارجی راستے کا رخ کیا اور وہ بھی شکر ادا کرتے ہوئے اس کے پیچھے چل دی تھی مگر آج شاید اس کے ستارے گردش میں تھے۔ زیب منصور رف سے حلیے میں گاڑی سے ٹیک لگائے ان کے منتظر تھے۔ لائبہ چلتے چلتے رکی اور ناچار مائدہ کو بھی رکنا پڑا تھا۔

"اپنے پیارے بھائی جان کو کسی بہانے یہاں سے بھیجو مجھے ان کے ساتھ نہیں جانا۔" ایک نیا حکم جاری ہوا۔

"شکر کرو بھائی جان آگئے ورنہ کہاں گرمی میں دھکے کھاتیں۔" مائدہ بوکھلا ہی تو گئی تھی۔

"اچھا تو تم ایسا کرو یہاں پہ ہی نوافل کی نیت باندھ لو میں گھر جا کے پڑھ لوں گی۔"

"اب تم لوگ آؤ گی یا میں گاڑی اٹھا کے پاس لاؤں۔" اس نے بے بس نظروں سے بھائی کو دیکھا۔ ایک سیر تو دوسرا سوا سیر تھا اور درمیان میں پسنے کا عہدہ مائدہ منصور سنبھالے ہوئے تھی۔

"اُففف...... یار تم لوگ ادھر ہی ہو پلیز مجھے بھی ساتھ لے لو۔ میں اسٹاپ سے ہو کر آئی ہوں شاید آج ہڑتال ہے۔" ان کی کلاس فیلو روبا ہانپتی کانپتی ان تک پہنچی تھی۔

مائدہ نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کے گاڑی میں آ بیٹھی' چارو ناچار لائبہ بھی آ گئی اور وہ گھر جاتے ہی نفل پڑھنے کا سوچ چکی تھی کیونکہ آج جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔

موسم میں تغیر برپا ہو رہا تھا۔ ہوا سر شام ہی انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتی اور ایسے تھرکتی ہوئی چلتی جیسے مدھم ساز پہ مشغول رقص ہو۔ دھیمی سرسراہٹ مغرب کے وقت کو نیا راگ عطا کرتی اور رات اپنے جوبن کے سفر پہ خوشی خوشی رواں ہو جاتی تھی۔ رات اور چاند کے سنگم نے آسمان کو اتنا دلکش کر دیا کہ وہ اپنی ازلی سستی کو پیچھے کیے چھت پہ آ گئی۔ پاؤں کو جوتے کی قید سے آزاد کیے اور ننگے پیر چلنے لگی' ڈھیروں ڈھیر ٹھنڈک اس کے وجود میں سرائیت کر گئی۔ اس نے آنکھیں چاند پہ گاڑ دیں' اس کا انداز ایسا کہ چاند کی ساری چاندنی چرا کر اوڑھ لے اور پھر چاند کے سامنے ہی اترا اترا کر چلے۔

"میں تمہیں سارے گھر میں ڈھونڈ آئی اور تم یہاں چاند کو نظر لگانے کی کوشش کر رہی ہو۔" مائدہ آہستگی سے اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی کہ اس کا انہماک نہ ٹوٹے۔

"رات کتنی خوب صورت ہے ناں؟ ہوش بھلاتی ہوئی' جنون سے آشنا کرتی ہوئی۔" اس نے نظروں کا مرکز بدلے بغیر کہا۔

"تم کب سے ایسی باتیں سوچنے لگی؟" مائدہ حیرت سے اس کی طرف مڑی۔

"کیوں' کیا مجھ پہ پابندی ہے؟" وہ بائیں آنکھ کا ابرو اٹھاتے ہوئے حیران ہوئی۔

"جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے آپ تو عوام کا چین و سکون خراب کرنے کا سوچتی ہیں' آج اس معجزے پہ میری عقل دنگ رہ جائے تو مجھ بے چاری کا کیا قصور۔" مائدہ پشت دیوار سے لگا کر کھڑی ہوگئی۔

"تم اپنا ریڈیو بند ہی رکھو' اچھا بھلا مزا آ رہا تھا خراب کرنے آ گئی۔" ازلی غصہ عود کر آیا۔

"اب آپ کچھ عرض کریں گی کہ کیوں میری تلاش کی غرض سے کنویں میں بانس ڈلوا دیئے تھے۔" وہ بھی دیوار کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔

"ویسے تم کچھ زیادہ ہی عجیب ہو' دنیا غصے میں ادب آداب سے بے بہرہ ہو جاتی ہے اور تم خالص اردو شروع کر دیتی ہو۔" وہ اس کے انداز پہ بے ساختہ ہنسی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"تم مجھ پہ بعد میں تحقیق کرلینا ابھی اپنا مطلب بتاؤ۔" لائبہ نے چنگیزی گھوری ڈالی مگر مقابل کو کب پروا تھی۔

"یار خالہ مجھے شاپنگ پہ لے کے جانا چاہتی ہیں' ان کے ساتھ دانیال بھی ہوں گے۔ پہلے تو کبھی ایسے نہیں ہوا اب نہ جانے کیوں مجھے گھبراہٹ ہورہی ہے۔" آخرکار بلی تھیلے سے باہر نکل ہی آئی تھی۔

"تو تم چاہتی ہو تمہارے بجائے شاپنگ پہ میں چلی جاؤں' ویسے آج میں تمہاری محبت کی قائل ہوگئی' دل کررہا ہے تمہارا منہ چوم لوں۔" اس نے والہانہ انداز میں مائدہ کو جھنجوڑا۔

"پرے مرو...... تم دوست ہو یا دشمن' بجائے اس کے کہ تم مجھے حوصلہ دینے کے لیے ساتھ چلو تمہیں اپنا الو سیدھا کرنے کی پڑی ہے۔" مائدہ نے پوری قوت سے لائبہ نامی جونک کو پرے دھکیلا۔

"شادی کی تاریخ مجھ سے پوچھ کر طے کی تھی' اتنا بھی نہیں سوچا کہ اس دوران میرے پری ٹیسٹ ہورہے ہوں گے۔ خود مزے سے دلہن بن جانا اور مجھے سارے جھمیلوں میں پھنسوا دینا۔" وہ ہاتھ کمر پہ ٹکائے پوری طرح فارم میں آچکی تھی اور مائدہ چند منٹ پہلے اس کے ادب کو خراج تحسین دینے پہ پچھتا رہی تھی۔

"اس میں میرا کیا قصور؟ اب اگر دانیال اچانک کمپنی کی طرف سے باہر جارہے ہیں اور خالہ بھی ان کے اکیلے جانے کے حق میں نہیں۔ امی' ابو' بھائی سب خالہ کی بات سے متفق ہیں تو میں کیا سولی پہ چڑھ جاؤں' میری پڑھائی بھی چھوٹ رہی ہے مگر تم بجائے حوصلہ دینے کے میرا کورٹ مارشل کرنے پہ تلی ہوئی ہو۔" مائدہ جھنجھلا ہی تو گئی تھی۔

اس کی اداس آنکھیں لائبہ کو شرمندہ کرگئی تھی۔ پتا نہیں کب وہ اپنے احساسات کی فکر چھوڑ کر دوسروں کے بارے میں سوچ گئی۔

"اچھا پریشان مت ہو میں ساتھ چلوں گی تمہارے۔" خلاف توقع وہ مان گئی تھی شاید اس کی جدائی کا سن کر دل پگھل گیا تھا۔

"یہ ہی پہلے مان جاتی' ایویں دکھی کردیا۔" مائدہ نے نادیدہ آنسو پونچھے تو اتنی کمال اداکاری پہ دونوں کھلکھلا کے ہنس دیں۔

دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے سیڑھیوں کی سمت بڑھیں' چاند نے اپنی جان بخشی پہ شکر ادا کرنا چاہا مگر اسی پل لائبہ قدیر نے مڑ کے چاند کو دیکھا اور وہ بیچارا سہم کے رہ گیا۔ بھلا آفت بھی جلدی جان چھوڑتی ہے۔

☆☆☆......☆☆☆

کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ گھڑی کی ٹک ٹک خاموشی کے پردے کو چاک کررہی تھی۔ وہ رائٹنگ ٹیبل پہ کتاب رکھے مطالعہ میں مصروف تھا۔ کتاب کے ورق شاید کوئی سنگین کہانی بیان کررہے تھے جس کے باعث وہ وقت کی رفتار کو بھولا ہوا تھا۔ ایک ایک لفظ سانس روک دینے کا قادر بن چکا تھا۔ کتاب کا صفحہ پلٹا اور ساتھ ہی لمبی سانس بھری شاید متوقع انجام کے لیے تیاری کی گئی تھی۔ ہوتے ہیں کچھ انجام ایسے جن کے لیے بھرپور تیاری کرنی پڑتی ہے۔ کہانی اپنے جوبن پہ تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز کرداروں کی موت بن گئی۔ اس نے ناگواری سے سر اٹھا کر آنے والے کو دیکھا مگر ماں کو سامنے دیکھ کر چند لمحوں قبل چھائی بیزاری اڑن چھو ہوگئی۔

"آپ سوئی نہیں' خیریت؟" دوپہر میں سونا ان کا معمول تھا۔

"ہمم...... خیریت ہے' کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں اور اس کے لیے تنہائی بھی ضروری تھی تو یہ وقت مناسب لگا۔" ریحانہ منصور نے آمد کا مدعا بیان کیا۔

"آیئے...... ادھر بیٹھیں۔" اس نے احترام سے ماں کو بیڈ پہ بٹھایا اور خود ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"الحمدللہ...... مائدہ بہت جلد اپنے گھر کی ہوجائے گی' اسے اپنی تعلیم کو لے کر کچھ اختلافات ہیں مگر مجھے امید ہے وہ بہت جلد اس فیصلے سے جڑی مصلحت جان لے گی۔" انہوں نے بات کا آغاز کیا تو وہ بھرپور انہماک سے متوجہ ہوا۔

"جتنی مجھے مائدہ عزیز ہے اتنے ہی تم ہو' میری یہ ہی آرزو ہے کہ مائدہ کے ساتھ تمہارے فرض سے بھی سبکدوش ہوجاؤں۔ تم نے شادی کے متعلق کیا سوچا ہے۔" انہوں نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

"میری جاب شروع ہوئے ابھی کچھ ماہ ہوئے ہیں۔ مجھے زندگی میں سیٹل ہونا ہے' اس لیے میں نے ابھی اس بارے میں کچھ نہیں سوچا اور جہاں تک مائدہ کی بات ہے تو بیٹیاں وقت پہ رخصت کردینی چاہیں۔ انہیں ان کے اصل حق دار کو سونپنے میں تاخیر کی اجازت اسلام بھی نہیں دیتا۔" اس نے مفصل جواب دے کر ریحانہ منصور کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"ہم تمہاری خواہش کا احترام کرتے ہیں لیکن اگر کوئی نظر میں ہے تو ہمیں آگاہ کردو شادی نہیں منگنی تو ہوسکتی ہے۔" آج شاید وہ وہاں کروانے کی نیت سے آئی تھیں۔

"آپ کو اپنا بیٹا نظر باز لگتا ہے؟" اس نے خفگی سے انہیں دیکھا۔

"میں سنجیدہ ہوں زیب۔" انہوں نے اس کی خفگی کا اثر نہیں لیا۔

"نہیں امی جان...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"منصور صاحب تمہارے لیے لائبہ کو سوچے ہوئے ہیں وہ اپنی سوچ میں حق بجانب ہیں ان کی پہلی ترجیح بھائی کی اولاد ہی ہوگی مگر لائبہ تمہاری طبیعت سے بالکل میل نہیں کھاتی۔ مجھے تمہارے لیے عمر کی سالی پسند ہے طیبہ ہمارے سامنے ہے جیسی وہ ہے یقیناً ویسی ہی اس کی بہن ہوگی۔" آخر کار بلی تھیلے سے باہر آہی گئی تھی۔

"امی جان...... اپنے اکلوتے بیٹے پہ رحم کریں اور اسے لائبہ نامی آفت سے محفوظ رکھیں بابا کو بھی بتادیں اس کے لیے کوئی خلائی مخلوق پسند کریں بھائی کی ہمدردی میں بیٹے کی بھینٹ کیوں چڑھا رہے ہیں۔" زیب منصور لائبہ کا نام سن کے ہی بے حال ہوگیا تھا۔ کہاں اس کی نفاست پسند طبیعت اور کہاں وہ گندگی کی ملکہ۔

"بیٹا بری بات...... ایسے نہیں کہتے وہ بھی گھر کی بچی ہے۔ مجھے تمہاری سوچ کا اندازہ تھا اسی لیے مائدہ کی شادی میں طیبہ کے میکے والوں کو خاص دعوت دے کر بلاؤں گی لائبہ بھی تمہارے سامنے ہے اور طیبہ کی بہن کو بھی دیکھ لینا پھر جو فیصلہ کرو اس سے آگاہ کردینا۔" ریحانہ منصور نے فیصلے کی ڈور اس کے ہاتھ میں سونپ دی۔

"امی جان کوئی بھی لڑکی پسند کرلیں مگر لائبہ قدیر نہیں۔" اس کے لہجے میں محسوس کن سختی اتر آئی تھی۔ ریحانہ منصور نے خفگی سے دیکھا اور کمرے سے نکل گئی۔

"ہمم...... تو اب لائبہ قدیر کو پرکھنا پڑے گا یہ دن بھی آنے تھے مجھ معصوم پہ۔" اس نے کمرہ لاک کیا اور بستر پہ دراز ہوگیا۔ اب اس سے مطالعہ نہیں ہوسکتا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

وقت ہاتھ سے نکل جائے تو صرف پچھتاوا مقدر بن جاتا ہے اس حقیقت کا ادراک لائبہ قدیر کو بہت اچھے سے ہوچکا تھا۔

وہ اس لمحے کو کوس رہی تھی جب مائدہ کی رونی صورت پہ ترس کھاتے ہوئے شاپنگ پہ جانے کی حامی بھری تھی۔ مالز اور بازار میں گھوم گھوم کر اس کی ٹانگیں بے جان ہوچکی تھیں پیٹ میں چوہوں نے الگ اودھم مچا رکھی تھی۔ مائدہ تو ایک طرف اس کی ساس پلس خالہ بھی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں سارا شہر کھنگھال مارا تھا اور ابھی بھی گنتی کی چیزیں خریدی گئی تھیں۔

"اے اللہ کی بندی...... مجھ سے کس بات کا بدلہ لے رہی ہو؟" مائدہ کی ساس جونہی تھوڑا آگے ہوئی وہ جلدی سے اس کے کان کے پاس آ کر بولی۔

"کیوں کیا ہوا؟ تم اتنی جلدی تھک گئی ابھی تو ڈھیر ساری چیزیں لینی باقی ہیں۔" مائدہ نے اس کی بات چٹکی میں اڑائی اور آگے بڑھ گئی۔

"ٹھیک ہے تم لیتی پھرو چیزیں میں گھر چلی جاتی ہوں۔ چھ گھنٹے ہوگئے پیدل چلا چلا کر مار رہی ہو ایک برگر تک کھلانے کی تمہیں توفیق نہیں ہوئی۔" وہ غصے سے چیخ ہی پڑی۔

"لائبہ قدیر آپ ناشتے میں دو پراٹھے ٹھونس کے آئی ہیں۔" مائدہ دبی آواز میں غرائی۔

"وہ کب کے ہضم ہوگئے۔" عجیب شان بے نیازی تھی۔

"تمہارے ساتھ میں بھی ہوں مجھے تو بھوک نہیں لگی۔"

"تمہیں بھوک لگے بھی تو کیسے؟ تمہارے پہلو میں تو دانیال صاحب چل رہے ہیں ان کی آنکھوں سے محبت نامی شعاعیں ہی تمہاری بھوک مٹانے کو کافی ہیں۔" لائبہ قدیر ادھار رکھ جائے یہ ناممکن تھا۔

"آیئے پہلے کچھ کھا لیتے ہیں۔" دانیال صاحب صورت حال سمجھ چکے تھے اسی لیے انہیں لیے مال کے ریسٹورینٹ میں آگئے۔ مائدہ نے شدید غصے سے اسے دیکھا یہ لڑکی شرمندہ کروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی۔

"یہ گھوریاں دانیال صاحب کے لیے بچا کے رکھو مستقبل میں کام آئیں گی جب میری شادی کی شاپنگ ہوگی تو تمہارا یہ حساب بے باک کردوں گی۔" دانیال اٹھ کے آرڈر دینے گیا تو وہ فوراً اس کے کان میں بولی۔ مائدہ نے ہڑبڑا کے خالہ کو دیکھا انہیں متوجہ نہ پا کر اس نے سکون کا سانس لیا۔

"اس بندے کی جیب میں پہلے ہی ہلکی کرتی رہتی ہوں اس لیے یہ احسان اپنے پاس ہی رکھو۔" وہ حد درجہ چڑ کے بولی۔

لائبہ قدیر جی جان سے چونکی اور اس سے پہلے کے

وضاحت مانگتی دانیال واپس آ چکا تھا سو اس بات کو کچھ دیر کے لیے چھوڑ دیا۔

☆☆☆......☆☆☆......☆☆☆

لاؤنج میں لگی دیوار گیر کھڑکیوں سے آنے والی روشنی نے سارے گھر کو روشن کر رکھا تھا۔ صفیہ بیگم صوفے پہ بیٹھی اذکار کرنے میں مصروف تھیں۔ فجر کے بعد قرآن، اشراق اور اس کے بعد وظائف کرنا ان کا معمول تھا۔ انہوں نے اولاد کو مذہبی تعلیم دی اور اس پہ عمل بھی کرواتی رہیں، عمر بھرپور طریقے سے عمل کرتا جب کہ لائبہ جان چھڑانے کے مواقع تلاش کرتی رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہ غصے سے بھری بیٹھی تھیں۔ عمر آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا اور ان کے بارہا اٹھانے کے باوجود لائبہ سوئی ہوئی تھی۔ طیبہ کچن میں ناشتہ بنانے میں مصروف تھی۔ انہوں نے عمر کی شادی کی تو سوچا بہو کو دیکھ کر وہ بھی کچھ بہتر ہو جائے گی مگر وہ پہلے سے زیادہ لاپروا ہو گئی تھی، جو صفیہ بیگم کا تھوڑا بہت ہاتھ بٹاتی اب وہ بھی چھوڑ چکی تھی۔

"امی...... کیا بات ہے، کوئی پریشانی ہے؟" عمر نے انہیں سوچ میں گم دیکھا تو پوچھ بیٹھے۔

"اس گھر میں تمہاری بہن سے بڑی پریشانی کوئی اور ہو سکتی ہے کیا؟" انہوں نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"امی آپ بھی ناں...... اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیں خود ہی سمجھ جائے گی، ویسے یہ ساری مائیں اپنی بیٹیوں کو ہر فن مولا کیوں بنانا چاہتی ہیں؟" انہوں نے ہنستے ہوئے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر بات کو مزاح کا رنگ دینا چاہا۔

"ہر ماں بیٹی کی بھلائی چاہتی ہے، سسرال ایک درسگاہ ہے اور اس درسگاہ کے امتحان میں ہر ماں اپنی بیٹی کو کامیاب دیکھنا چاہتی ہے۔" ان کی اپنی فکریں تھیں جسے وہ نہیں سمجھ سکتے تھے۔

"امی...... طیبہ نے بھی تو سب ہینڈل کر لیا تھا ناں، یہ بھی کر لے گی، ابھی بچی ہے۔ ویسے بھی عورت بہت سخت جان ہوتی ہے جب سر پہ پڑتی ہے سب سنبھال لیتی ہے۔" وہ ہر طریقے سے ماں کو مطمئن کر رہے تھے۔

"تمہاری تو شاید عقل ہی کام نہیں کر رہی، طیبہ اسی عمر میں تمہاری دلہن بن کے آگئی تھی۔ مائدہ اسی کی ہم عمر ہے اور اس کی شادی بھی سر پہ ہے۔ اس کی یہ ہی حرکات ہیں جن کی وجہ سے ریحانہ اس کے بارے میں بات نہیں کرتی ورنہ زیب جیسا بچہ تو قسمت کی یاوری سمجھا جائے۔" آخر کار ان کی بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی تھی۔

"امی...... ہم زبردستی تو اسے کسی کے سر نہیں تھوپ سکتے اور زیب کی شخصیت لائبہ سے میل نہیں کھاتی، اس لیے اس بارے میں آپ پریشان نہ ہوں، جو اس کے نصیب میں ہوگا وہ اسے مل جائے گا۔" زیب منصور اپنی بہن کے لیے ان کی بھی اولین ترجیح تھا مگر لائبہ کے لیے اس کی آنکھوں سے جھلکتی ناپسندیدگی ان سے چھپی نہیں تھی۔ اس لیے وہ اس بارے میں سوچتے ہی نہیں تھے۔

"امی...... تائی جان نے مائدہ کی شادی کے لیے میرے میکے والوں کو خاص دعوت دی ہے اور بار بار سعدیہ کو لانے کی تلقین بھی کی ہے، میرے خیال میں وہ اسے زیب کے لیے سوچ رہی ہیں۔ آپ اس بارے میں کیا کہتی ہیں؟" طیبہ عمر کو ناشتہ دے کر صفیہ بیگم کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ انہوں نے شاکی نظروں سے عمر کو دیکھا اور اس کی تسلی دیتی نظروں پہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کے رہ گئیں۔

"بیٹی قسمت کے فیصلے ہیں، اللہ سب بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے، تم اپنے گھر بات کر لو زیب دیکھا بھالا ہے اور سعدیہ بھی اپنی ہی بچی ہے۔" انہوں نے دل پہ پتھر رکھتے ہوئے طیبہ سے کہا اور شکستہ دل لیے وہاں سے اٹھ گئیں۔

"آپ کیا کہتے ہیں؟" اس نے عمر سے رائے لینا چاہی۔

"میرے خیال سے شادی پہ بلایا ہے تو سب آئیں گے مگر تم ایسا کوئی تذکرہ نہیں کرنا، اگر باقاعدہ بات کی گئی تو پھر دیکھیں گے۔" انہوں نے متانت سے جواب دیا۔

اکتوبر کا اختتام ہو رہا تھا۔ موسم کی خنکی بڑھتی جا رہی تھی مگر مائدہ کی شادی کے لیے اتنی بھاگ دوڑ مچی تھی کہ کوئی بھی موسم کی لطافت محسوس نہیں کر سکا۔ زیب منصور عمر قدیر کے تعاون سے گھر کی حالت سنوارنے میں مگن اور ریحانہ بیگم دیورانی کے ساتھ مل کر بازار کے چکر لگانے میں مصروف تھیں، کبھی طیبہ بھی ساتھ ہو لیتی مگر اس سب ہنگامے میں لائبہ قدیر غائب تھی اور اس کی غیر حاضری زیب منصور نے ہی محسوس کی تھی۔

اس وقت بھی وہ لان کی حالت درست کر رہا تھا جب اسے ساتھ والے گھر کی دوسری منزل پہ آنچل کی جھلک نظر آئی تھی۔ اس نے چونک کر اوپر دیکھا مگر جو بھی تھا وہاں سے ہٹ چکا تھا، تب ہی اسے خیال آیا سب خواتین بازار گئی ہوئی تھیں۔ وہ جلدی سے مائدہ کے کمرے کی طرف آیا۔

"مائدہ تمہاری ہم جولی کہاں ہے؟" انہوں نے پہلی فرصت

میں پوچھا۔
"کیوں...... ! آپ کو سکون اچھا نہیں لگ رہا؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"چچا کی چھت پہ کوئی تھا' تمہارے سوا تو سب بازار گئے ہیں اس لیے تم سے پوچھنے آیا ہوں کہ وہ بھی گئی ہے یا گھر پر ہے۔" انہوں نے تفصیلاً بتایا۔
"بھائی پتا نہیں وہ کس دنیا میں مگن ہے' نہ بازار جاتی ہے اور نہ ہی مجھے کوئی خاص کمپنی دے رہی ہے۔ پہلے مجھے لگا پیپرز کی ٹینشن ہوگی مگر وہ پڑھتی بھی نہیں ہے' میں اس سے ناراض ہو چکی ہوں۔ جانتی بھی ہے کہ میں کچھ دنوں میں چلی جاؤں گی مگر پھر بھی ہٹ دھرم بنی ہوئی ہے۔" اس کے پوچھنے پہ مائدہ پھٹ ہی پڑی تھی' تو یقیناً مسئلہ گمبھیر تھا۔ شاپنگ اگنور کرنا ثابت کر رہا تھا کہ اس کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے۔
وہ مائدہ کے کمرے سے نکل کر چچا کے پورشن کی طرف بڑھا۔ سارے گھر میں اسے نہ پا کر چھت کا رخ کیا اور وہ وہیں تھی' ڈھیر سارے رنگ سامنے پھیلائے جانے کیا کرنے میں مصروف تھی کہ اس کا آنا بھی محسوس نہ کر سکی۔
"تم ٹھیک ہو؟" اس نے لائبہ کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
وہ ایک پل کو چونکی اور حیرت سے اس کے انداز کو دیکھا' زیب منصور کے لہجے میں اس کے لیے نرمی اس صدی کا عجیب واقعہ تھا۔ چند لمحوں کی حیرت کے بعد اس کی پیشانی پہ ناگواری کی شکنیں ابھر آئیں اور وہ اس کے پل پل بدلتے انداز دیکھ کر حیران ہوا تھا۔
"اب تک تو ٹھیک تھی آگے کا کچھ کہہ نہیں سکتی۔" انداز کے ساتھ زبان بھی بدلی تھی تو واقعی کچھ غلط تھا ورنہ لائبہ قدیر کی زبان زیب منصور کے سامنے کم ہی چلتی تھی۔
"تم کچھ دنوں سے نظر نہیں آ رہی اور مائدہ بھی تمہیں مس کر رہی تھی۔ اس لیے میں تمہاری خیریت پوچھنے چلا آیا۔"
"اوہ...... تو آپ کو اب میری فکر ہونے لگی ہے؟" اس کے انداز میں واضح طنز تھا اور یہاں زیب منصور بھی تلخ ہوا تھا۔
"میرا ٹیسٹ اتنا خراب نہیں ہوا' تمہاری حرکات کا سن کے لگا شاید دماغی توازن کھو چکی ہو تو تعزیت کرنے آیا تھا۔" اس نے طنز کا دگنا جواب دیا۔
"ہر کسی کو اپنا جیسا نہ سمجھا کیجیے۔ خیر آ ہی گئے ہیں تو واپسی کا راستہ بھی جانتے ہوں گے۔" اس نے بایاں ابرو اٹھاتے ہوئے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ ٹھٹکا۔
اس نے گہری نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا اور کئی لمحوں تک دیکھتا رہا پھر اچانک سے ہنسی کا فوارہ اس کے منہ سے نکلا اور وہ ہنستا چلا گیا۔ اسے دیکھتا رہا اور ہنستا رہا۔ لائبہ نے ناگواری سے اسے دیکھا اور منہ دوسری طرف کر لیا' وہ گھوم کے دوسری طرف آیا اور اس کا منہ دیکھتے ہوئے پھر ہنسنے لگا۔
"کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ؟" اس کا یوں ہنسنا اسے برداشت نہیں ہوا۔
زیب منصور نے موبائل نکالا' آناً فاناً اس کی تصویر کھینچی' نیچے پڑے رنگوں میں انگلی ڈبوئی اور اس کی ناک پہ پھیر دی۔ دوبارہ چہرے کو دیکھا اور ہنستے ہوئے سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا۔ لائبہ قدیر جی جان سے جھلس گئی۔ اس نے پاس پڑے سامان سے چھوٹا سا شیشہ نکال کر سامنے کیا تو اسے دشمن جاں کے ہنسنے کی وجہ سمجھ آ گئی' سارے منہ پہ کالے رنگ کے نقطے اور لائنیں ایسے لگی تھیں کہ وہ مہذب کم اور وحشی زیادہ لگ رہی تھی۔ اسے جی بھر کے اپنے پھوہڑپن پہ غصہ آیا اور رہی سہی کسر تصویر کا سوچ کے پوری ہو گئی تھی۔ وہ غصے سے بھری ہوئی لاؤنج میں چکرا رہی تھی۔ دو تین آوازیں مائدہ کو لگا چکی تھی۔
"کیا ہے' جنگلیوں کی طرح کیوں چیخ رہی ہو؟" وہ عجلت میں سیڑھیاں اتر کر اس تک آئی۔
"تمہارے بھائی نے میری تصویر لی ہے فوراً اسے ڈیلیٹ کرواؤ۔" مائدہ کو دیکھ کر غصے سے بولی۔
"بھائی اور تصویر...... ! میں نہیں مانتی۔"
"تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" اس کا انکار شدید غصہ دلا رہا تھا۔
"اچھا اگر لے بھی لی تو غصے والی کیا بات ہے؟ میں ڈیلیٹ کروا دوں گی' تم آؤ ادھر بیٹھو۔" اسے نارمل کرتے ہوئے وہ صوفے کی طرف لے آئی۔
"تم کب تک مجھ سے ناراض رہو گی' میری کیا غلطی ہے؟" مائدہ نے جھجک کر پوچھا۔
"تو میرا کیا قصور تھا؟" اس نے عادتاً بایاں ابرو اٹھایا۔
"کئی دفعہ ایسے ہوتا ہے کہ دوسرا بات کچھ کرتا ہے اور ہم مطلب کچھ اور لیتے ہیں' پلیز تم اس بارے میں فکر مند نہیں ہو اور میرے آخری دن اپنے ساتھ خوشگوار بنا دو۔" مائدہ نے پیار سے

اس کا ہاتھ تھاما۔

''میں کچھ بھی بھول نہیں پارہی مگر تمہارے لیے کوشش کروں گی۔'' اس نے نم آنکھوں سے اسے تسلی دی اور وہاں سے نکل آئی۔ مائدہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی۔

''اسے کیا ہوا رلانے والی آج خود کیسے رونے لگی؟'' زیب منصور اس کی نم آنکھیں دیکھ چکا تھا۔ مائدہ نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ اس کا دماغ کچھ تانے بننے میں مصروف تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

ڈھولک کی تھاپ پہ علاقائی گیت گائے جارہے تھے۔ سریلی آوازوں نے مل کر ایک سماں باندھ دیا تھا۔ پورے گھر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ لان کے درختوں اور پودوں پر سفید رنگ کی لائٹیں لگائی گئی تھیں جس سے ماحول اور بھی خوب صورت لگ رہا تھا۔ لان میں سب خواتین' لڑکیاں جمع تھیں اور جوش کا یہ عالم کہ یہ سرد ہوا بھی کسی کو محسوس نہیں ہورہی تھی۔ موسم میں خنکی اس حد تک تھی کہ بنا گرم کپڑوں کے باہر نکلنا دل گردے کا ہی کام تھا مگر ہر جگہ ریشمی زرتار آنچل لہرا رہے تھے۔

لان میں قدیر صاحب کی دیوار کے ساتھ آرائشی جھولا سیٹ کیا گیا تھا۔ پیلے رنگ میں رنگی مائدہ اس جھولے پہ بیٹھی کسی شہزادی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ کسی لڑکی کی بات پہ ہنستی تو چہرہ کھل اٹھتا مگر نم آنکھوں کی اداسی ویسی ہی تھی۔ بیٹیوں کی زندگی بھی مسافروں جیسی ہوتی ہے' ہر جگہ کو منزل سمجھ کے پڑاؤ ڈالتی ہیں مگر سفر ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتا۔ وہ بھی مسافر بننے والی تھی' نئے سفر پہ جانے کی خوشی کے ساتھ پرانے ساتھیوں سے بچھڑنے کا غم بھی تھا' عجب خوشی ودکھ کے لمحات تھے۔

وہ کسی کام سے لان کی طرف آیا' جانے سے پہلے ایک نظر مائدہ کو دیکھا تو قدم رک گئے' اکلوتی اور لاڈلی بہن چند لمحوں کی مہمان تھی۔ دل میں ایک دم اداسی نے پنجے گاڑھے تھے' وہ اداس سا پلٹا تو قدم سنہری آنچل سے لپٹ گئے' آگے جانے والی کو جھٹکا لگا اور وہ بل کھا کے پیچھے آنے والے سے ٹکرائی تھی۔ مگر سب کی بے ساختہ نظریں دو الجھے لوگوں میں الجھ گئیں۔ سنہری آنچل کا سارا سنہرا پن زیب منصور کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا۔ مقابل نے اس کے ہاتھ سے اپنی کلائی آزاد کروائی تو چوڑیوں کی کھنک ماحول کو جلترنگ کر گئی۔ اس نے چونک کر ارد گرد دیکھا' سب کی نظریں خود پہ جمی دیکھ کر اسے عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ سنہرا آنچل لہراتا ہوا دور جارہا تھا اور وہ وہیں کھڑا لمحوں کے کھیل کو سمجھنے کی کوشش کررہا تھا۔ وہ شاید ابھی بھی ہوش میں نہ آتا اگر لڑکے والوں کی آمد کا شور نہ مچ جاتا' وہ حواس کو قابو میں کرتے ہوئے استقبال کے لیے آگے بڑھا۔ رنگ و بو کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ لڑکے والوں کی آمد کے ساتھ ہی رسم شروع کردی گئی' وہ ایک کونے میں کھڑا کسی کی دوسری جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھا اور چند لمحوں بعد وہ مائدہ کے ساتھ بیٹھ چکی تھی' اس نے تیل کی طرف ہاتھ بڑھایا اور مائدہ کے سر پہ لگادیا۔

''زیب...... تم نے لائبہ کو دیکھا کہیں؟'' وہ سامنے کا منظر دیکھنے میں اس قدر مگن تھا کہ بھابی کے پوچھنے پہ خالی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ انہوں نے دوبارہ پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''بھابی مٹھائی میں کریلے کا کیا کام؟'' اس نے شوخی سے کہا اور خود ہی مسکرادیا۔ طیبہ ایک خفگی بھری نظر ڈال کے اسٹیج کی طرف چل دیں۔

اس نے ریحانہ بیگم کی تلاش میں نظریں گھمائیں تو وہ چاچی کے ساتھ کھڑی کوئی بات کرنے میں مگن تھیں۔ وہ فوراً سے پہلے ان کی طرف بڑھا۔

''امی...... مجھے بھابی کی بہن پسند ہے' آپ ان سے بات کرلیں۔'' اس نے آہستگی سے جا کر ماں اور چاچی کو بتایا۔ وہ شروع سے ہی چاچی کے قریب رہا تھا اور اس موقع پہ ان کی موجودگی سے اسے خوشی ہورہی تھی۔

ریحانہ بیگم نے گڑبڑا کے اسے دیکھا۔ دیورانی کے سامنے عجیب سی خفت انہیں محسوس ہوئی تھی مگر وہ فیصلہ سنا کر غائب ہوچکا تھا۔ انہوں نے مسکرا کر صفیہ بیگم کو دیکھا تو وہ بھی مسکرا دیں۔ اس کا سر درد سے برا حال تھا۔ باہر سے آنے والا شور درد کو بڑھائے جارہا تھا۔ اس نے سر تکیے کے نیچے رکھا اور تکیے کو زور سے دبایا۔ شور کی آواز کسی حد تک کم ہوئی تھی۔ آنکھیں بند کی تو سیال مادہ جو کب سے آنکھوں کے ساحل پہ سر پٹخ رہا تھا بہہ نکلا' کاجل کی کالی دھاریں چہرے کی خوب صورتی کو خراب کرگئی تھیں۔

مائدہ کی شادی کے حوالے سے کتنے ہی خواب دیکھے تھے مگر سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ وہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی نارمل نہیں ہو پارہی تھی۔ خود کو مصلحت کا پابند کرتی تو انا چیخ پڑتی تھی' دل کو سمجھاتی تو دماغ عزت نفس کا پرچم بلند کردیتا اور دماغ کو سمجھانے کی کوشش کرتی تو دل دہائی دینے لگتا تھا۔ آہستہ آہستہ

باہر کا شور مدھم ہونے لگا اس نے تکیہ اوپر سے ہٹا کر سر کے نیچے رکھ لیا اور آنکھیں موند کر لیٹ گئی۔ زیب منصور کی آنکھوں سے جھلکتا سنہرا عکس اسے دوبارہ بے قرار کر گیا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور سر ہاتھوں میں تھام لیا' نہ جانے کتنی دیر وہ اسی حالت میں رہی تھی۔ اپنے ہاتھ پہ پڑنے والے دباؤ سے وہ ہوش میں آئی تو مائدہ کو سامنے پایا۔

''تم نے رسم نہیں کی تھی اور تمہارے بنا میری خوشی مکمل نہیں ہوتی؟ اس لیے سارا سامان لے آئی ہوں' چلو شاباش۔ مجھے تیل اور مہندی لگاؤ۔'' اس کی آنکھوں کا سوال پڑھ کے مائدہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

مائدہ نے ہاتھوں میں پکڑی مہندی کی تھالی بیڈ پہ رکھی اور خود اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس نے تیل میں انگلی ڈبوئی اور مائدہ کے سر پہ تیل لگایا' ہاتھ پہ مہندی رکھی' برفی کا ایک ٹکڑا اس کے منہ میں رکھ دیا۔

''یار مجھے تم سے کام ہے اور تم یہاں رونی صورت لیے بیٹھی ہو۔'' مائدہ نے منہ بسورتے ہوئے کہا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی' سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ ایسا کہہ رہی تھی۔

''بتاؤ کیا کام ہے؟'' جب اسے مائدہ کا لہجہ فکر سے عاری لگا تو وہ بھی بے حس ہوگئی۔

''بھائی کے کمرے میں میرا ایک گفٹ رکھا ہے پلیز وہ مجھے لادو۔''

''مائدہ......! تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے ناں؟ میں نہیں جارہی کسی کے کمرے میں۔'' مائدہ کی بات اسے حد درجہ تکلیف میں مبتلا کر گئی تھی۔

''یار دانیال کا گفٹ ہے' امی نے اٹھا کے وہاں رکھ دیا۔ وہ خاص ہے اور ابھی کھولنے والا ہے۔ تم لے آؤ دونوں مل کر کھولیں گے' پلیز مان جاؤ۔'' وہ منت کرنے لگی۔

''تم خود چلی جاؤ ناں مائدہ۔'' اس کی لہجے میں دنیا جہاں کی تھکن آسمائی تھی۔

''میں بھائی سے ناراض ہوں اور قطعاً ان کے کمرے میں نہیں جارہی اور تم خود سوچو دانیال کا گفٹ لیتی کتنی آکورڈ لگوں گی۔ یو نو تھوڑی شرم تھوڑی حیاء۔'' بات ختم کرتے ہوئے وہ مسکرائی۔ لائبہ نے حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا' خوشیاں اس کے چہرے پہ رقصاں تھی۔ نظر لگ جانے کے خوف سے اس نے نظریں ہٹائیں اور سر ہلاتے ہوئے باہر نکل آئی۔

زیب منصور کے کمرے میں جانے کے لیے لان سے گزرنا پڑتا تھا اور وہ اس وقت کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی اسی لیے چھت سے دونوں گھروں کی مشترکہ دیوار پھلانگ کر دوسرے پورشن میں چلی آئی۔ سیڑھیوں کی طرف بڑھنے سے پہلے ایک نظر نیچے دیکھا' سب بڑے اکھٹے بیٹھے تھے اور زیب منصور سامان اٹھوانے میں مصروف تھا یعنی کے سارا ہنگامہ ختم ہوچکا تھا۔ وہ کتنے ہی پل وہاں کھڑی نیچے دیکھتی رہی اور غالباً نظروں کا ارتکاز محسوس کرکے زیب منصور نے اوپر کی طرف دیکھا مگر وہ پل کی تاخیر کیے بنا پیچھے ہٹ گئی تھی۔ خود کو نارمل کیا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ دوسرے پورشن میں اندھیرا تھا' اس نے بنا کوئی آہٹ کیے زیب منصور کے کمرے کا رخ کیا۔ کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی جو واش روم سے آرہی تھی' اس نے چاروں طرف نظریں گھمائیں مگر گفٹ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔

''پاگل نے مجھے بھیج دیا اور جگہ کا بتایا ہی نہیں۔'' مارے کوفت کے برا حال ہورہا تھا۔

اس نے الماری کھولی اور سامنے ہی گفٹ رکھا نظر آگیا' چوکور بڑا سا ڈبا جسے سلور شائننگ پیپر سے پیک کیا گیا تھا۔ ابھی اس نے گفٹ کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا۔

''یہ کیا ہورہا ہے؟'' پیچھے سے آنے والی آواز اسے ساکت کر گئی۔ زیب منصور تو لان میں تھا پھر کمرے میں کیسے پہنچا' وہ ڈرتے ڈرتے مڑی تاکہ وضاحت دے سکے مگر مقابل کی پیشانی کے بل رہے سہے اوسان بھی خطا کر گئے تھے۔

''پچھلے چند دنوں سے تمہاری سنجیدگی دیکھ کر میں سمجھا کہ شاید عقل آگئی ہے مگر تم تو پہلے سے بھی زیادہ چیپ ہوگئی ہو' واش روم میں آوازیں سن کے سمجھا امی یا مائدہ ہوں گی' میرے گمان میں نہیں تھا کہ یہاں ایک چور موجود ہوگا۔'' زیب منصور پھنکارا۔ اس نے نم آنکھوں سے سامنے کھڑے وجیہہ انسان کو دیکھا جس کی زبان صرف لائبہ قدیر کے لیے کڑوی تھی اور آج وہ اپنے اس وصف کی بلندی پہ تھا۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں مجھے یہاں مائدہ نے......''

''تم مائدہ کو درمیان میں لاؤ ہی نہیں' وہ کبھی نہیں کہے گی کہ میرے بھائی کے کمرے میں چوروں کی طرح گھس جاؤ۔'' اس کی بات کاٹ کر وہ بلند آواز میں بولا۔

ابھی ان دونوں کے درمیان گفتگو جاری تھی کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی' دونوں نے چونک کر دروازے کی

جانب دیکھا۔

"اچھا تو محترمہ آپ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دروازہ بھی لاک کر دیا۔" زیب منصور شدید غصے کے عالم میں کہتا ہوا تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا۔

لائبہ حیران تھی کہ دروازہ کب اور کیسے لاک ہوا......؟ جبکہ اس نے تو کمرے میں داخل ہوتے وقت دروازہ پوری طرح بند بھی نہیں کیا تھا اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا تھا۔ اسی اثنا میں زیب منصور دروازے تک پہنچ کر دروازہ کھول چکا تھا۔ سامنے کھڑی ریحانہ بیگم نافہم تاثرات لیے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے لائبہ تم اس وقت یہاں......! مگر دروازہ کیوں بند تھا......؟" وہ زبان سے نہ بھی کہتیں تو بھی ان کا چہرہ سارے سوال عیاں کر رہا تھا۔

"امی...... میں واش روم میں تھا' نہ جانے کب یہ محترمہ چوروں کی طرح گھس آئی۔" زیب منصور نے اکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

حد درجہ ضبط کے باوجود اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ اس نے گفٹ اٹھایا اور ریحانہ بیگم کے سامنے کر دیا' مائدہ کو دیکھ کر اسے حوصلہ ہوا تھا۔ اس نے بتانا چاہا تھا کہ مائدہ نے اسے گفٹ لینے بھیجا تھا اور زیب منصور اسی بات کو غلط رنگ دے رہا تھا۔

"بھائی...... مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی۔" مائدہ نے آگے بڑھ کے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

ریحانہ بیگم نے تاسف سے اسے دیکھا اور خاموشی سے چلی گئی۔ زیب منصور کھٹکا تھا کچھ غلط تھا' کچھ ایسا جس سے وہ انجان تھا۔ وہ سب کچھ لائبہ قدیر پہ ڈال رہا تھا مگر سب سے زیادہ وہ مشکوک ٹھہرایا جا رہا تھا۔ مائدہ کے الفاظ کسی ہتھوڑے کی طرح اس کے دماغ پہ برس رہے تھے۔ اس نے سر کو ہاتھوں میں تھام لیا۔

کمرے میں خاموشی تھی' ماحول ایسا ساکت کہ سوئی گرنے کی آواز بھی سنائی دے۔ ریحانہ بیگم منصور صاحب کو سب کچھ بتا چکی تھیں۔ انہیں اپنی اولاد بہت پیاری تھی مگر وہ اپنے بچوں کی غلطیوں پہ پردہ ہرگز نہیں ڈالتی تھیں۔ وہ لائبہ قدیر کے لاابالی پن سے ہمیشہ خائف رہی تھیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اس کی دشمن تھیں یا اس کے بارے میں برا سوچتی تھیں۔ ہر ماں کی طرح انہیں بھی سلجھی اور سنجیدہ بہو کی خواہش تھی اور اگر یہ خوبیاں لائبہ میں موجود ہوتیں تو ان کی پہلی ترجیح وہ ہی ہوتی۔ وہ لان میں بیٹھی تھیں جب مائدہ نے بتایا کہ لائبہ اس کی چیزیں لینے زیب کے کمرے میں گئی ہے اور ابھی تک پلٹی نہیں تو وہ دیکھنے چلی آئی مگر سامنے کا منظر ان کے وہم وگمان میں نہیں تھا۔ زیب کا غصے کی شدت سے سرخ چہرہ اور مائدہ کی روئی آنکھیں اور بے بس انداز اسے غلط ثابت نہیں کر رہا تھا۔

"ابو میں بار ہا بتا چکا ہوں ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہے ہیں' میں تو بھائی کی بہن کے لیے امی کو کہہ چکا ہوں۔ جب پہلے مجھے ایسا کچھ خیال نہیں آیا تو اب کیوں آئے گا۔" وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی وضاحتیں دے رہا تھا اور یہی بات اسے غصے میں مبتلا کر رہی تھی۔

"ساری باتیں تمہارے خلاف جا رہی ہیں' وہ گفٹ تمہاری طرف سے لائبہ کے لیے تھا۔ اس سب کے بعد تمہارا یقین کیسے کیا جائے۔" منصور صاحب کی سنجیدگی بڑھتی جا رہی تھی۔

"آپ سب مجھے کیوں کٹہرے میں کھڑا کر رہے ہیں' اس چور لڑکی سے بھی پوچھیں وہ وہاں کیا کرنے آئی تھی۔" منصور صاحب کی بے اعتمادی اسے شعلوں کے سپرد کر گئی تھی۔

"اپنی زبان کو حد میں رکھو زیب منصور۔ اس گھر کی بیٹیوں کے خلاف ایسی زبان استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں۔" منصور صاحب ایک دم غصے میں آئے۔

"گھر کی بیٹیاں جب ایسی حرکتیں کریں گی تو ایسے ہی کہا جائے گا۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ لائبہ قدیر سامنے ہو اور وہ اس کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دے۔

"زیب منصور کل تک اپنی بے گناہی ثابت کرو ورنہ ہمارا فیصلہ ماننے کے لیے تیار رہنا۔" انہوں نے حکم سنایا اور اسے وہاں سے جانے کا اشارہ کر دیا۔ اس نے شاکی نظروں سے ماں کو دیکھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

"ہمارا بیٹا ایسا ہرگز نہیں ہے' آپ اس سے باز پرس کر لیتے مگر اس قدر انتہائی فیصلہ۔" ریحانہ بیگم نے اس انتہا کا کب سوچا تھا۔

"اگر آپ کی بیٹی اس جگہ ہوتی تو؟" منصور صاحب کا ایک سوال انہیں چاروں شانے چت کر گیا۔ اب وہ بے بس تھیں چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔

دوسری طرف لائبہ روتے روتے سو چکی تھی۔ سوتے ہوئے

بھی اس کے چہرے پہ کرب کے تاثرات تھے۔ اس نے مائدہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا اور وہ چاہتے بھی نہیں اٹھ سکتی تھی۔ اس کی حالت مائدہ کو نادم کررہی تھی' تھک کر وہ اسی کے ساتھ لیٹ گئی اس بات سے بے خبر کہ صبح کا سورج کیسی تبدیلی لانے والا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

سرخ جوڑے اور سنہرے زیورات نے مائدہ کو نیا روپ دیا تھا۔ وہ مائدہ کے ساتھ پارلر آئی تھی اور اب کتنی دیر سے کسی کی منتظر تھیں۔ گھر میں کئی فون کرڈالے تھے مگر کوئی نہیں آیا تھا۔ آخر آدھ گھنٹے کے بعد عمر بھائی اور بھابی آئے تھے عمر بھائی کے چہرے کے تاثرات نارمل نہیں تھے۔ سارا راستہ خاموشی سے گزرا' گھر پہنچ کے وہ مائدہ کے ساتھ جانے کی بجائے اپنے پورشن میں آگئی' مہمانوں سے بچتے ہوئے کمرے میں گھسی اور کمرہ لاک کرلیا۔ رخصتی سے پہلے اس کا باہر نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مائدہ کے لاکھ کہنے پہ وہ ہلکا سا تیار ہوئی' بھاری کامدار سوٹ کی بجائے ہلکا سوٹ پہنا تھا۔ گھر کے ساتھ خالی پلاٹ پہ شامیانے لگا کے شادی کے انتظامات کیے گئے تھے' اس کے لیے عمر بھائی نے اپنے دوستوں سے رابطہ کیا تھا جو شہر کے مشہور ویڈنگ پلانر تھے۔ اسے آئے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ باہر شور مچ گیا' یقیناً بارات آگئی تھی۔ اس نے ذرا سا پردہ کھسکایا تو گھر کا مین گیٹ نظر آیا جہاں ابا اور عمر بھائی کھڑے تھے اور ان کے ساتھ تایا ابا بھی تھے' بارات کے ساتھ وہ بھی آگے بڑھ گئے۔ اس نے پردہ چھوڑا اور بیڈ پہ لیٹ گئی۔

اس نے ہزار کوششوں کے بعد خود کو اتنا کیا تھا کہ مائدہ کے ساتھ پارلر چلی جائے' اس دوران بھی بارہا صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تھا مگر وہ بے دردی سے آنکھیں رگڑتی رہی تھی۔ چاہتے ہوئے بھی کل کا منظر بھول نہیں پارہی تھی۔ زیب منصور واش روم میں تھا اور وہ الماری میں منہ دیئے کھڑی تھی تو دروازہ بند کرنے والا کون تھا۔ اسی ''کون'' پہ آکر اس کی سوچ کی سوئی اٹک جاتی تھی' اتنے پیاروں میں ایسی دشمنی کرنے والا کون تھا۔

دور کہیں سے شور کی آواز سنائی دی' پوری کوشش کے بعد بھی وہ آواز کا ماخذ نہیں جان پائی تھی' مسلسل آنے والی آواز اسے بے چین کررہی تھی اور اب ان آوازوں میں اس کے نام کی پکار بھی شامل تھی۔ ایک دم سے ہڑبڑا کے اٹھی اور حواس بحال ہوئے تو احساس ہوا کہ وہ سوگئی تھی' شور کی آواز باہر سے آرہی تھی پھر سے دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو فوراً دوپٹہ اوڑھا اور بھاگ کے دروازہ کھولا۔

پہلا چہرہ جو نظر آیا وہ امی کا تھا' ان کے پیچھے ابو' عمر بھائی اور تایا جان کھڑے تھے۔ ان سب کو دیکھ کر اسے بے انتہا شرمندگی محسوس ہوئی' یقیناً اس نے سونے کے باعث دروازہ نہیں کھولا تھا اور امی نے پریشانی میں سب کو بلالیا تھا۔

''وہ میں سوگئی تھی اس لیے دروازہ نہیں......'' اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی کیونکہ امی اسے پکڑے اندر لے گئی تھیں۔

امی نے اس کی الماری کھولی اور جلدی سے بڑی چادر نکال کے اسے اوڑھا دی' اس کے ساتھ بیٹھ کے ہاتھ پکڑا اور دوسری طرف ابا بیٹھ چکے تھے۔ حالات جو کہانی سنارہے تھے حواس ماننے سے انکاری تھے۔ وہ دل ودماغ کی کشمکش میں گم تھی کہ بھاری آواز اس کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اتری تھی۔

''لائبہ قدیر ولد قدیر احمد آپ کو بعوض ایک لاکھ حق مہر سکہ رائج الوقت زیب منصور ولد منصور احمد سے نکاح قبول ہے۔''

لائبہ قدیر اور زیب منصور...... دریا کے دو کنارے۔

''نکاح قبول ہے؟'' امی کے ہاتھ کا دباؤ بڑھا۔

مشرق ومغرب' دن اور رات۔

''نکاح قبول ہے؟'' ابو کا ہاتھ سر پہ ٹھہرا۔

بہار وخزاں' نرم اور سرد۔ کوئی بھی مماثلت نہیں تھی مگر سزا مقدر ٹھہری تھی۔

امی کی گرفت ڈھیلی ہوئی' ابو کا ہاتھ ڈھلکا' مولوی صاحب اٹھے اور بیٹی نے عزت کا بوجھ سر جھکا کے اپنی جان پہ اٹھالیا۔

''قبول ہے اپنی انا کی موت۔''

''قبول ہے آزادی سے غلامی کا سفر۔''

''قبول ہے نفرت وبیگانگی کا تعلق۔''

خود کو کسی اور کا کرتے ہی سانسوں کی رفتار مدھم ہوئی' قلم ہاتھوں سے پھسل گیا تھا۔ اس نے آہستگی سے امی کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالا اور ابو کا ہاتھ سر سے ہٹایا' برزخ میں ڈال کر اسے دعاؤں کے ہار ڈالے جارہے تھے تو کیا کرتی ان دعاؤں کا۔ ان رشتوں کا کیا کرتی جنہوں نے اس کی ذات بے مول کردی تھی۔

ایک ایک کرکے سب کمرے سے نکل گئے تو اس نے کمرہ لاک کردیا' چادر اتار کے پرے پھینکی اور بیڈ پہ گرگئی۔ ناپسندیدہ انسان کی زندگی میں داخل ہونے کا کچھ غم تو بنتا تھا اور لائبہ قدیر اپنی خوشیاں اور غم پورے جوش سے مناتی تھی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

شادی کے ہنگامے سرد پڑتے ہی ماحول کا تناؤ پوری شدت سے محسوس ہوا تھا۔ دونوں پورشنز ایک دم سنسان ہو گئے تھے۔ دانیال نے کچھ دنوں میں باہر چلے جانا تھا تو ولیمے کے بعد کوئی روایتی طریقے کار نہیں اپنائے گئے تھے۔ وہ دونوں سب سے ملنے میں مصروف تھے اسی وجہ سے مائدہ میکے کا چکر نہیں لگا پا رہی تھی۔ ریحانہ بیگم بیٹے کے تیور دیکھ کر ہلکان ہو رہی تھیں جو صبح سویرے نکلتا اور رات گئے گھر میں قدم رکھتا تھا۔ ادھر صفیہ بیگم بھی پریشان تھیں' تین دن گزر گئے تھے اور لائبہ صرف دو مرتبہ کمرے سے باہر نکلی تھی۔ آخر تھک کر ریحانہ بیگم نے اس سے بات کرنے کی ٹھانی اور اسی غرض سے وہ اس کے کمرے میں آ بیٹھی اور وہ ان کی طرف پشت کیے جانے کن سوچوں میں گم تھا۔

"زیب...... ایسے کب تک چلے گا؟" وہ اس کی پشت دیکھتے ہوئے بولیں۔

"جب تک چل سکتا ہے اور پلیز امی مجھے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ دوٹوک لہجے میں کہتے ہوئے مڑا اور اس کے ہاتھ میں سگریٹ دیکھ کر وہ ہک دک رہ گئیں۔

"تم سگریٹ پینے لگے ہو؟"

"ہمم...... جب اندر آگ ہو تو باہر کی آگ سے فرق نہیں پڑتا۔" اس نے سگریٹ سلگا کر ہونٹوں میں دبا لیا۔

"زیب تمہارے ابو رخصتی کی بات کر رہے ہیں' اس وقت تم دونوں ڈسٹرب تھے تو یہ بات نہیں ہوئی تھی' اب تم کیا کہتے ہو؟" انہوں نے نئی بات سامنے رکھی تو وہ ہنس دیا اور اس کی ہنسی میں چھپا کرب دیکھ کر وہ چپ رہ گئیں۔

"پہلے کچھ میری مرضی سے ہوا جو اب ہوگا لیکن ایک بات آپ دونوں یاد رکھیے گا' وہ لڑکی میری بربادی کی ذمہ دار ہے اور اب میں اسے برباد کرنے کے سارے حقوق رکھتا ہوں۔ بلکہ آپ کل ہی رخصتی کی بات کیجیے' میں راضی ہوں۔" اس کے لہجے میں بدلے کی آنچ تھی اور وہ محسوس کر کے بھی بے بس تھیں۔

"زیب...... وہ اچھی لڑکی ہے' اسے سمجھو یقیناً تم مایوس نہیں ہو گے۔ ہر من پسند چیز مقدر نہیں ہوتی اس بات کو سمجھو اپنی اور اس کی زندگی اجیرن نہ کرنا۔" انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس طرح سب نارمل کریں۔ ان کی اتنی نصیحتوں کے باوجود اس پہ کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اب یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا اس بات سے وہ بھی بے خبر تھیں۔

☆☆☆......☆☆☆

سارا دن کمرے میں مقید رہ کر وہ تھکنے لگی تھی اور باہر نکلنے کو دل نہیں کرتا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی اسے یہ رنگ دکھائے گی۔ کالج' پڑھائی' شرارتیں' گھومنا پھرنا سب ختم ہو چکا تھا۔ وہ چند لمحوں میں نادانی کی ساری سرحدیں پار کر گئی تھی۔ امی بارہا آئی تھیں مگر وہ منہ لپیٹے ہر دستک کو نظر انداز کرتی رہی۔ زیب منصور سے اسے الجھن تھی کیونکہ اس کا چڑاتا لہجہ اور حکمیہ انداز وہ کبھی برداشت نہیں کر پائی تھی مگر اس سب میں نفرت کہیں بھی نہیں تھی۔ اس سب میں بھی وہ اسے اپنا دشمن نہیں سمجھتی تھی اور یہ سوچ تب تک تھی جب تک اس نے زیب منصور کے منہ سے اپنی ذات کے پرخچے اڑتے نہیں دیکھ لیے تھے اور وہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ اور الفاظ بھول نہیں پا رہی تھی۔

وہ مائدہ کو بلانے کے لیے تایا کے پورشن میں گئی تھی کہ اسے سیڑھیوں پہ مائدہ نظر آئی' ست روی سے وہ اس کے پیچھے جا کھڑی ہوئی کہ ارادہ اسے ڈرانے کا تھا مگر کمرے سے آتی تائی کی آواز اور اپنا نام اسے ساکت کر گیا۔ تائی کو ہمیشہ اس نے اپنی امی جیسا سمجھا تھا اور وہ اس پہ کسی دوسرے کو فوقیت دے رہی تھیں مگر مسئلہ فوقیت کا نہیں تھا وہ خود دس دفعہ زیب منصور کو انکار کرتی' مسئلہ اس کی ذات تھی۔ مائدہ نے کسی احساس کے تحت پیچھے مڑ کے دیکھا اور اسے کھڑے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ اس نے لائبہ کو کھینچ کر لے جانا چاہا مگر وہ آج سب سننا چاہتی تھی اور زیب منصور کے الفاظ سن کر اسے احساس ہوا تھا کہ آگاہی بعض مرتبہ بہت تکلیف دیتی ہے۔

"امی کوئی بھی لڑکی ہو مگر لائبہ قدر نہیں۔" اس نے سہارے کے لیے ریلنگ تھامی مگر ہاتھ پھسل گیا' مائدہ نے جلدی سے اسے تھاما تھا۔ آنکھوں کو زبردستی رگڑتے ہوئے وہاں سے بھاگ آئی تھی۔ مائدہ نے بارہا سمجھایا' سب کے رویوں کی وضاحت دی مگر وہ کانوں سنا جھٹلا نہیں سکتی تھی۔

"مائدہ تمہارا بھائی سو دفعہ انکار کرتا پر میری ذات کو اس طرح تماشا نہ بناتا' میں نے ہمیشہ انہیں عمر بھائی کی طرح سمجھا' اگر میرے سامنے بات آتی تو میں انکار کر دیتی مگر کبھی ان کے وقار کو نقصان نہیں پہنچاتی۔" مائدہ کے بار بار سمجھانے پہ اس نے دوٹوک جواب دیا تھا مگر دل تھا کہ تڑپتا رہتا اور اب وہ اسی شخص کی دسترس میں دے دی گئی تھی' جس کی نظروں میں اس کا وجود دو کوڑی کی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔

"لائبہ...... دروازہ کھولو۔" وہ اپنے ذات کے حساب کتاب

میں مگن تھی جب دروازے پہ دستک ہوئی' کوئی اور ہوتا تو وہ کبھی دروازہ نہیں کھولتی مگر آواز ابو کی تھی۔ اس نے بے دلی سے دروازہ کھولا اور دوبارہ بیڈ پہ بیٹھ گئی۔

ابو بیڈ پہ اس کے ساتھ بیٹھ گئے تھے۔ پہلو میں رکھے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا اور نہ جانے اس لمس میں کیا تھا کہ پتھرائی ہوئی آنکھیں پھر سے نم ہوگئی تھیں۔

''بیٹا...... آپ ہمیں بہت عزیز ہیں اور آپ کیسے سوچ سکتی ہیں کہ میں اور آپ کی امی آپ کے لیے غلط سوچ سکتے ہیں۔ جو ماں باپ انگلی پکڑ کے چلاتے ہیں وہ کبھی بھی بچوں کے قدموں سے زمین نہیں کھینچتے۔'' انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

''کاش ابو آپ لوگ ایک بار پوچھ لیتے' آپ کے خودساختہ فیصلے نے میری ذات کا مان چھین لیا۔''

''میں مانتا ہوں یہ سب جلدی میں ہوا اور آپ سے پوچھ نہیں سکے مگر مجھے یقین تھا کہ میری بیٹی کبھی انکار نہیں کرے گی۔'' ان کے لہجے میں اس کے لیے فخر تھا۔

''آپ کا یقین مجھے لے ڈوبا۔''

''بیٹا...... زیب اچھا لڑکا ہے۔''

''مگر میں بہت بری ہوں۔''

''مجھے یقین ہے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔''

''میرا یقین ہے وہ مجھے خوشی کا مطلب بھی بھلا دے گا۔''

قدیر صاحب اس کا ہاتھ تھامے بول رہے تھے اور وہ دل میں جواب دیتی سوچ رہی تھی کہ کاش والدین کی عزت کا شملہ بیٹیوں کے سر پہ نہ ہوتا' کم از کم وہ کھل کے سانس تو لے سکتیں۔ والدین کا مان رکھتے ہوئے وہ اپنا مان کھو دیتی ہیں۔

''تمہارے تایا رخصتی چاہ رہے ہیں اور میں انہیں انکار نہیں کرپایا' مجھے امید ہے میری بیٹی سب ٹھیک کردے گی۔'' ایک نیا یقین اس کے سپرد کیا گیا۔

''ابو...... کیا یہ سب ختم نہیں ہوسکتا؟'' اس نے آس بھری نظروں سے باپ کو دیکھا' نرم آنکھوں میں یکدم تلخی اتری تھی۔

''کیا کوئی اور ہے۔'' سوال نہیں کوئی دو دھاری خنجر تھا جو اس کی روح تک کو زخمی کرگیا تھا۔ اس کے سارے اعتراض مٹی کا ڈھیر بن گئے تھے۔ ساری امیدوں کے پر جل کر خاک ہوگئے تھے۔ اس کا نفی میں سر ہلتا دیکھ کر وہ اٹھ گئے' یقیناً بات ختم ہوچکی تھی۔

''ابو...... میں کوئی شور شرابہ نہیں چاہتی اگر آپ چاہیں تو ابھی رخصتی کردیں۔'' وہ لائبہ قدیر تھی جھٹ سے فیصلہ لینا اس کی فطرت تھی۔ ابو اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئے۔

آنکھوں کے آگے آنسوؤں کی دیوار تن گئی مگر ہر چیز سے بے نیاز ہوکر اس نے چیزیں نکالنی شروع کردیں' کچھ سوٹ' سینڈلز اور ضرورت کا سامان اٹیچی میں رکھا' دوپٹہ سر پہ لیتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ لاؤنج میں دونوں گھروں کے افراد بیٹھے تھے' اسے اور اس کے ساتھ موجود اٹیچی کو دیکھ کو یکدم خاموشی چھا گئی تھی۔

''تایا ابو...... میں ابھی آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوں۔'' اس کی بات سب کو ساکت کرگئی تھی۔

''طیبہ اسے اندر لے کر جاؤ' اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' امی غصے سے بولیں۔

''نہیں صفیہ...... اس نے کون سی غلط بات کی ہے' اگر اس کی مرضی ہے تو ابھی لے چلتے ہیں کون سا پرائے گھر جانا ہے۔'' منصور احمد نے سب کو منع کیا۔

''مگر تایا جان ایسے کب ہوتا ہے' لوگ کیا کہیں گے۔'' عمر بھائی بھی بول پڑے۔

''عمر لوگوں کا تو یہ ہی کام ہے' تم مذہب کو دیکھو تو بنیادی اہمیت صرف نکاح کی ہے جو کہ ہوچکا اور صورت حال کا تقاضا جلد از جلد رخصتی ہے۔ میں لائبہ کی بات سے متفق ہوں۔'' ان کے مفصل جواب سے لاؤنج میں خاموشی چھا گئی تھی۔

''مائدہ کی غیر موجودگی میں رخصتی؟ اس کے اپنے بھائی کے حوالے سے کچھ ارمان ہیں۔'' تائی جان کو بھی اعتراض ہوا۔

''اسے سمجھائیں گے تو سمجھ جائے گی اور سارے ارمان ولیمے میں پورے ہوجائیں گے۔'' تایا جان ہر سوال کا جواب طے کیے بیٹھے تھے۔

وہ سب کو مطمئن کرکے اٹھے اور لائبہ کا سوٹ کیس تھام لیا' امی ملنے کو آگے بڑھیں تو وہ سب سے پہلے باہر نکل گئی اور نکلنے سے پہلے اس گھر کے سارے قرض دروازے کی چوکھٹ پہ چھوڑ آئی تھی۔ رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی۔ سردیوں کا آغاز ہوچکا تھا' دس گیارہ بجے ہی سناٹا اپنے عروج پہ ہوتا تھا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی سردی کی شدت سے بے حال ہورہی تھیں مگر زیب کے آنے کے کوئی آثار نہیں تھے۔ تب وہ مایوس ہوکر اپنے کمرے میں چلیں گئیں تھیں۔

وہ عدنان سمی کا گانا گنگناتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا اور اندھیرے میں ہی واش روم میں داخل ہوگیا' روم میں آکر

کھڑکیاں کھولیں اور سگریٹ سلگا لیا۔ اچانک نظر چچا کے پورشن کی طرف گئی تو لائبہ کے کمرے کی لائٹ آف دیکھ کر چونکا۔ ساری رات وہ یہاں کھڑا ہوکر سگریٹ پیتا اور ساری رات اس کے کمرے کی لائٹ آن رہتی' وہ یہ ہی سوچتا جانے ساری رات کیا کرتی ہے اور اب اندھیرا دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی۔ اس نے نظریں وہاں سے پھیر کر آسمان کی طرف کرلیں' دھند نے سارے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ کبھی یہ سرد موسم اس کا جنون تھا اور اب باہر کی خزاں اس کے اندر چھا گئی تھی۔ سرد ہوائیں اندر کی آگ بجھانے سے قاصر تھیں۔

"میرا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں اگر آپ کی خواہش ہے تو چھت پہ جاکر شوق پورا فرمائیں۔" وہ چاند کی روشنی دیکھنے میں مگن تھا کہ بہت قریب سے نسوانی آواز سنائی دی' ایک دم وہ اچھلا اور ہاتھ میں پکڑا سگریٹ ہاتھ جلاتا ہوا نیچے گر گیا۔

اس نے پل کے ہزارویں حصے میں آواز پہچانی اور اپنی جگہ ساکت ہوگیا۔ زیب نے جلدی سے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی' اس کا سکون حرام کرکے وہ محترمہ نہایت سکون سے آرام فرما تھیں وہ بھی اس کے بیڈ پر۔

"تم یہاں کیا کررہی ہو؟" وہ اس کے سر پہ کھڑا تلخی سے پوچھ رہا تھا مگر جواب ندارد۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے؟" اس نے لائبہ کے چہرے سے کمبل ہٹایا۔

"اس جواب کے لیے صبح کا انتظار کریں اور برائے مہربانی کھڑکیاں بند کردیں۔" اس کے ہاتھ سے کمبل چھینتے ہوئے وہ دوبارہ سر تک تان چکی تھی۔

"اُف میرے اللہ...... یہ عذاب اتنی جلدی مجھ پہ مسلط ہوگیا۔" اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھاما مگر یہ کیفیت چند پل کی تھی۔ وہ غصے سے بھرا دوبارہ اس کے سر پہ کھڑا تھا۔

"یہ میرا بیڈ ہے' اس لیے یہاں سے اٹھو کوئی اور ٹھکانہ ڈھونڈو۔" اس نے کمبل کھینچا۔

وہ ایک لمحے میں اٹھ بیٹھی' کپڑوں کو جلدی سے ٹھیک کرتے اپنے گرد چادر پھیلالی۔ ایک پل آنکھوں میں نمی جھلکی مگر وہ اس انسان کے سامنے خود کو کمزور نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"میں نے سنا تھا کہ مجھ میں تمیز نہیں ہے لیکن بدتمیزی کا مظاہرہ آپ کررہے ہیں۔ آئندہ ایسی حرکت کرنے سے پہلے دس دفعہ ضرور سوچیے گا۔" اس نے زیب منصور کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور اس کے پاس سے گزر کر دروازے کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ کمرے میں بیڈ کے علاوہ لیٹنے کی کوئی جگہ نہیں تھی اور کرسیوں پہ سویا نہیں جاسکتا تھا۔ وہ مجبوراً بیڈ پہ لیٹی تھی ورنہ اس انسان سے سو قدم دور رہنا اس نے خود پہ فرض کرلیا تھا۔ وہ مزے سے کمبل تان کر لیٹ گیا تو شل ہوتی ٹانگوں سے وہ کرسی پہ آ بیٹھی' شال کو اچھے سے اپنے گرد لپیٹا اور ٹانگیں جوڑ کے کرسی پہ ہی رکھ لیں۔ زندگی کی بدترین راتوں میں ایک اور رات کا اضافہ ہوا تھا۔

صبح کا سورج کچھ نیا لے کر نہیں آیا تھا سوائے اس کے کہ سارے خاندان تک اس کی رخصتی کی اطلاع پہنچ چکی تھی اور ولیمے کے لیے باقاعدہ کارڈ چھپوائے گئے تھے۔ زیب منصور کے اٹھنے سے پہلے سارے امور سر انجام پا چکے تھے اور وہ خاموشی سے سب ہوتا دیکھتی رہی۔ تایا کے کمرے سے اس کے بولنے کی آوازیں آتی رہیں اور پھر غصے سے بھرا وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ آج اس کی نظروں میں وہی ہتک تھی جو اس کے لفظوں کی صورت وہ پہلے بھی سن چکی تھی۔

"بہت شوق ہو رہا تھا ناں میری زندگی میں آنے کا جو راتوں رات سامان اٹھائے چلی آئی' یہ ساری سازش تمہاری تھی' جب تمہیں یہ پتا چلا کہ میں بھابی کی بہن کو پسند کرچکا ہوں تو تم نے یہ ڈرامہ کھیلا۔ اب میں تمہیں بتاؤں گا کہ کسی کی ذات اور خوشیوں کے ساتھ کیسے کھیلتے ہیں' تم اس حد تک گر جاؤ گی میں نے سوچا بھی نہیں تھا لیکن اب سارے حساب بے باک ہوں گے تو بس اب انتظار کرو اور دیکھتی جاؤ میں کیا کرتا ہوں۔" اس کی ذات پہ الزامات کی بوچھاڑ کرتے' راستے میں آنے والی ہر چیز کو ٹھوکر مارتے وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

"کاش یہ سب سننے سے پہلے موت آجاتی۔" وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی۔

جانے کتنے ہی پل وہ وہیں بیٹھی رہی' ہوش تو تب آیا جب کسی کے ہاتھوں کا دباؤ محسوس ہوا' اس نے نم پلکیں اٹھا کر آنے والے کو دیکھا اور مسیحا سامنے پاکر سارا ضبط بکھر گیا۔

"لائبہ قدیر بہت بہادر ہے' ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں اسے ہرا نہیں سکتیں۔" شاید وہ سب سن چکی تھی بھی حوصلہ دے رہی تھی۔ اس کی تسلی سن کے وہ اور بکھر گئی۔

مائدہ سارا دن اس کے ساتھ رہی تھی۔ کالج کی کئی باتیں سنا سنا کر اسے ہنسانے کی کوشش کرتی رہی' دوستوں کی باتیں اور نہ جانے کون کون سے قصے تھے جو وہ لے بیٹھی تھی۔ اسے دانیال

نے واپس لینے آنا تھا تبھی تائی جان نے اسے تیار ہونے کا کہا اور مائدہ فوراً اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

"یہ لازمی نہیں کہ ہم دکھوں کے اشتہار چہرے پہ لگالیں، کچھ کام دنیا کو دکھانے کے لیے بھی ہوتے ہیں۔" اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود وہ اسے اچھا خاصا تیار کر چکی تھی۔

مائدہ کو لینے دانیال کے ساتھ اس کی ساس بھی آئی تھی اور جس طرح وہ تنقیدی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں تیار ہونے کا فیصلہ اسے درست لگا تھا۔ وہ کیوں سب کے سامنے اپنی ذات کو تماشا بناتی مگر زیب منصور کی طنزیہ نگاہیں اس کی روح چھید رہی تھیں۔ جیسے ہی مائدہ گئی پل کی تاخیر کیے بنا وہ کمرے کی طرف آئی، تائی جان کے دیئے زیور اتارے اور واش روم میں گھس گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر پلٹی تو دھک سے رہ گئی، اپنی طنزیہ نظروں سمیت وہ واش روم کے دروازے میں کھڑا تھا۔

"مسز لائبہ زیب منصور...... آپ شاید میرے لیے تیار ہوئی تھیں مگر یہ کیا؟ میرے دیکھنے سے پہلے ہی ساری محنت پانی میں بہادی۔" وہ اسے زہر سے بھی زیادہ برا لگا۔ اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ دروازہ کی سمت دیکھنے لگی، جس طرح وہ کھڑا تھا کسی صورت وہ باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ اس کی نظروں کا ارتکاز سمجھ کے وہ پیچھے ہوا تو فوراً وہ واش روم سے نکلی مگر ایک جھٹکے نے اس کے قدم روک لیے تھے۔ وہ حیرت سے مڑی اور اپنی کلائی کو بے بسی سے اس کی گرفت میں پھنسا دیکھا۔ دو قدم چل کے وہ اس کے قریب آیا تو مارے ڈر کے اس کی جان نکلنے کے قریب ہوگئی۔

"کیا تمہارا دل نہیں کرتا کہ میں تمہیں سراہوں، تمہاری سمندر سی گہری آنکھوں کی تعریف کروں، تمہیں بتاؤں کہ تمہاری ناک میں چمکتا لونگ کس طرح مجھے خیرہ کرتا ہے؟" وہ اس کے چہرے کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لیے ہوئے تھا۔

"بولو کیا تمہارا دل نہیں کرتا؟" لائبہ کی خاموشی پہ اس نے کلائی کو جھٹکا تو ہلکی سی آہ اس کے لبوں سے نکل گئی۔

اس کے تیور دیکھ کر وہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ ہاں کہے یا انکار کرے، اس زیب منصور کو تو وہ جانتی ہی نہیں تھی جو نظروں میں عجیب سے جذبے لیے سامنے کھڑا تھا اور جانے ان آنکھوں میں کیسا سحر تھا کہ وہ اثبات میں سر ہلاگئی۔ اس کی ہاں کے ساتھ ہی زیب منصور کی آنکھوں کے رنگ بدل لے تھے۔ طنز، تحقیر، ذلت کیا کیا رنگ نہیں ابھرے تھے اور ایک دم ہی ہنسی کا فوارہ نکلا تھا۔

"اپنی بے گناہی کے اتنے ثبوت نہ دیا کرو لائبہ قدیر۔ تمہارے دل میں چور تھا اور یہ ہی تمہاری حقیقت ہے۔" اس کی کلائی ایک جھٹکے سے چھوڑتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

وہ وہیں ساکت رہ گئی تھی۔ ایک پل میں اسے عرش سے فرش پہ گرادیا گیا تھا۔ اپنے نام سے معتبر کر کے پھر یوں بے مول کردے گا یہ تو اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔

"اور ہاں کل ویسے کی شاپنگ کے لیے مارکیٹ جانا ہے تیار رہنا، تمہارے سسر جان کا حکم ہے۔" بیڈ پہ لیٹتے ہوئے ایک اور شاہی فرمان جاری ہوا تھا۔ وہ شخص ہر رشتے کو مذاق بناتا جارہا تھا۔

وہ خاموشی سے کرسی پہ بیٹھ گئی تھی، یقیناً آج کی رات بیٹھ کر سوتے ہوئے اسے کسی درد کا احساس نہیں ہوگا۔ اس شخص کا کوئی احسان لینے سے اچھا تھا وہ اسی کرسی پہ سردی سے اکڑ جائے۔ وہ اس گھاٹ پہ پیاسا مار رہا تھا کہ وہ اپنی نظروں میں ہی گر گئی تھی۔ وہ اس رشتے کا فائدہ اٹھا کر اسے دو کوڑی کا کرنے کی کوشش میں مبتلا تھا۔ سردی کی شدت سے اس کا برا حال ہورہا تھا۔ غصے میں گھر سے نکلتے ہوئے وہ کوئی گرم چیز یا سویٹر ساتھ نہیں لے پائی تھی اور یہاں وہ کسی کا احسان نہیں لینا چاہتی تھی۔ زیب منصور سب کے سامنے اچھا بننے کے لیے اسے شاپنگ کے لیے ساتھ لے آیا مگر اب وہ اس کی سزا لائبہ کو دے رہا تھا۔ سارے بازار میں گھمانے کے بعد بھی اسے کچھ پسند نہیں آرہا تھا اور وہ مر کے بھی اپنی رائے دینا نہیں چاہتی تھی۔ بازار کی کوئی بھی شاپ اس نے نہیں چھوڑی تھی اور اب کسی جاننے والے کی بوتیک پہ بیٹھا تھا۔ اس کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ اسے یہیں آنا تھا تو یقیناً یہ سب اسے زچ کرنے کے لیے تھا۔

"یار...... تم بھابی کو ساتھ لائے ہو تو انہیں پسند کرنے دو، اپنی مرضی ہی کرتے جارہے ہو۔" اس کا دوست آخرکار بول ہی پڑا۔

"تیری بھابی وہی پہنے گی جو مجھے پسند ہوگا کیونکہ دیکھنا بھی تو میں نے ہے ناں۔" نرم لہجے میں جواب دیتے ہوئے اس نے دوست کو آنکھ ماری تو دونوں بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

وہاں سے سیدھا وہ اسے پارلر چھوڑ گیا تھا، یقیناً یہاں بھی ہدایات دی جاچکی تھیں۔ اس کی ناں کے باوجود وہی کیا گیا تھا جس پہ اس کی آنکھیں بھر بھر آئی تھیں، اس کے سارے احتجاج کا صرف ایک ہی جواب ملتا۔

"سوری میم ہمیں یہی آرڈر ہے۔"

آج کا دن منحوس ترین تھا۔ سارا دن بازار کی خواری اور اب

شیشے میں خودکو دیکھ کر اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ کمر سے نیچے جاتے بال جن میں اس کی جان تھی اب کندھوں سے تھوڑے نیچے تھے۔ وہ شخص ہر اس چیز پہ وار کر رہا تھا جہاں اسے سب سے زیادہ تکلیف ہوتی تھی۔

''اس میں اتنا رونے والی کیا بات ہے، تمہارا فرض ہے خود کو میری پسند کے مطابق ڈھالنا اور مجھے چھوٹے بال پسند ہیں۔''
اس کی افسردگی دیکھ کر اس نے نئی چوٹ کی۔

''سارے فرائض میرے ہی نہیں ہیں، کچھ فرض آپ کے بھی بنتے ہیں۔'' وہ ایک دم غصے سے چیخی۔

بول میرے خاموش سجن!
اشک اچھے کہ تارے
پیاس اچھی کہ دھارے
یک موج ہونا بہتر ہے
یا دُور دُور کنارے!
بول میرے خاموش سجن!
عُمر تو یونہی بیت چلی!
شب چاہیے کہ تو
چپ چاہیے کہ تو
مسکان ہونا بہتر ہے
یا زرولبوں کی لَو!
بول میرے خاموش سجن!
عُمر تو یونہی بیت چلی!

وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا اور جذب سے نظم پڑھی مگر اس دفعہ وہ دھوکہ میں نہیں آئی تھی۔

''تمہیں پریشان ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی ان آنکھوں کو پریشانی میں مبتلا کرو، کل پورے استحقاق سے میں اپنے سارے فرائض ادا کروں گا۔'' چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھنے کے بعد وہ واپس پلٹ گیا۔ اس کی بات کو اور رنگ دے کر وہ اسے نئی اذیت میں مبتلا کر گیا تھا۔ آج کی رات پھر سے بھاری تھی۔

میرج ہال کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بار بار اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور ہر بار زیب منصور سہارا دے رہا تھا۔ وہ ہاتھ آگے بڑھاتا اور لائبہ قدیر ہاتھ جھٹک دیتی۔ پارلر سے میرج ہال کا راستہ ہی بہت اذیت ناک تھا اور اب آگے وہ اس شخص کا ساتھ نہیں چاہتی تھی۔ پارلر میں بلیک اور سلور کام والی ساڑھی اس کے سامنے کی گئی تو بے ساختہ آنکھوں سے آنسو چھلک آئے تھے۔ اس نے زندگی میں کبھی ساڑھی نہیں باندھی اور آج اتنے لوگوں کے سامنے وہ اسے لے جا رہا تھا۔ اس پہ ساڑھی کے ساتھ اونچی ہیل۔ وہ جتنا اسے کوس سکتی تھی اتنا کوس رہی تھی اور اب بار بار اس کا ہاتھ پرے کرتے اسے ذرا فکر نہیں تھی کہ کون دیکھ رہا ہے۔

اسٹیج پہ بھی ایک لمحے کو وہ دور نہیں ہوا تھا، ایسے مسکرا مسکرا کے گفتگو کر رہا تھا جیسے لائبہ قدیر زندگی بھر کا حاصل ہو اور رہی سہی کسر فوٹو سیشن میں پوری ہوگئی۔ فوٹو گرافر کئی مرتبہ اسے کہہ چکا تھا کہ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھے مگر اسے زیب منصور کی آنکھوں سے نفرت تھی۔ جو پہلے اسے مقید کرتیں اور پھر اس کی قید پہ قہقہے لگاتیں۔

اللہ اللہ کر کے فنکشن ختم ہوا مگر اس کی آنکھوں کے آگے چھاتا اندھیرا اسے بے بس کر رہا تھا۔ ساری انا اور غیرت ایک طرف دکھ کر اس نے اپنے گھر جانے کا سوچ لیا کیونکہ اتنے دنوں کی بے خوابی نے اس کی ساری ہمت ختم کر دی تھی۔ سب لان میں جمع تھے اور گفتگو کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھی لان کراس کر کے اپنے پورشن کی طرف آگئی۔ جلدی سے زیورات اتارے، کپڑے بدلے اور سکون سے بیڈ پہ لیٹ گئی۔ اتنے دنوں کی تھکن تھی یا اپنے کمرے کی ملکیت کا احساس کہ پل میں وہ غافل ہو چکی تھی۔ نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا کہ عجب احساس سے اس کی آنکھ کھل گئی، ہلکی سی روشنی میں گھڑی دیکھی جو رات کے دو بجا رہی تھی۔ اس نے اپنے اوپر پڑا کمبل دیکھا تو حیرت ہوئی وہ تو بغیر کمبل کے ہی لیٹ گئی تھی اور نیند سے اتنا برا حال تھا کہ کچھ لینے کا ہوش نہیں تھا۔

''تم کس کی اجازت سے ادھر آئی تھیں؟'' زیب منصور کی آواز پر وہ چونکی۔

''آپ......؟'' وہ زیب منصور کو یوں اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے لائبہ قدیر۔'' وہ دبی آواز سے غراتے ہوئے بولا کہ وہ سہم کر تھوڑا سا پیچھے ہوئی۔

''میں ایسے ہی آئی تھی نہ جانے کیسے آنکھ لگ گئی۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے وضاحت دی۔

''تم میری ملکیت ہو اس لیے آئندہ ایسی جرأت مت کرنا ورنہ نتائج کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔'' اس کی آنکھوں کے تاثرات ناقابل فہم تھے۔

"میں آپ کی ملکیت نہیں ہوں' آپ اس طرح مجھ پہ دھونس نہیں جما سکتے۔" اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تھا۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔ زیب منصور اس کے تیور جانچ رہا تھا اور ایک دم اسے کندھوں سے تھاما تو وہ دھک رہ گئی۔

"میرے کہے بنا تم نے کپڑے کیوں بدلے۔ تم واقعی نہیں چاہتی کہ تمہیں سراہا جائے۔" وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے میں ماہر تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ زیب منصور ایسا ہو سکتا ہے۔

اس نے خاموشی سے اس کے ہاتھ پرے کیے اور واش روم میں چلی گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر ساڑھی دوبارہ باندھی اور بال کھلے چھوڑ کر باہر نکل آئی مگر خالی کمرہ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ وہاں زیب منصور کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔

"تو کیا وہ میرے حواس پہ اس قدر حاوی ہو چکا کہ میں یوں پاگلوں جیسی حرکتیں کرنے لگی ہوں۔" وہ بے جان سی بیڈ پہ بیٹھ گئی۔

سائیڈ ٹیبل سے کیچر اٹھا کے بال باندھنے لگی تو نظر چند پیپرز پہ پڑی تھی۔ ٹکٹ پہ اس کا نام لکھا تھا' معاملہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ اسی پل اس کے موبائل پہ میسج ٹون بجی تو اس نے موبائل تھاما۔

"کل شام سات بجے اسلام آباد کے لیے فلائیٹ ہے اور زیب منصور پہ ابھی یہ دن نہیں آئے کہ وہ لائبہ قدیر کو سجا سنورا دیکھنے کی خواہش میں تڑپے۔" یہ میسج اسے منہ پہ طمانچے کی صورت لگا تھا۔

"بس بہت ہوا زیب منصور' لائبہ قدیر کوئی کھلونا نہیں جس سے تم اپنی مرضی سے کھیلو' تم اکیلے کھیلتے آرہے ہو اب لائبہ قدیر تمہارے ہر وار کے لیے تیار ہے۔" آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلا اور ٹکٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے زمین پہ پھینک دیے۔

وہ سارا دن عجیب کشمکش میں مبتلا رہی۔ جیسے ہی زیب منصور گھر آیا وہ تایا کے پورشن میں آگئی۔ تائی جان کو سلام کرتے ہوئے وہ سیدھا کمرے میں چلی آئی' وہ سامنے ہی پیکنگ کرنے میں مصروف تھا' اسے دیکھ کر تلخی سے مسکرایا مگر آج لائبہ قدیر مطمئن تھی۔

"پندرہ سے بیس منٹ ہیں ہمارے پاس جلدی سے ریڈی ہو جاؤ اور گرم کپڑے زیادہ رکھنا۔" اسے ایک جگہ کھڑے دیکھ کر اس نے کہا اور واش روم میں چلا گیا۔

اس کے لیے یہ چند منٹ بھی کافی تھے' اس نے ٹکٹ کے ٹکڑے زیب کے موبائل کے نیچے رکھے اور اس کا پیک کیا سارا بیگ کھول کر بیڈ پہ بکھیر دیا' ایک تلخ نظر واش روم پہ ڈالی اور کمرے سے نکل آئی۔ نیچے تایا جان کے پاس رک کر زیب کی طرف سے ہنی مون کینسل کرنے کی اطلاع دے کر واپس اپنے پورشن میں آگئی۔ اب اسے ردعمل کا انتظار تھا اور اس کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ چند لمحوں میں اس کے سامنے تھا۔

"میں تم سے تمہاری حرکت کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔" اس کے سامنے ہاتھ باندھے وہ کرخت لہجے میں بولا۔

"کون سی حرکت؟" اس کی معصومیت انتہا پہ تھی۔

"لائبہ قدیر...... مجھے کوئی انتہائی قدم اٹھانے پہ مجبور نہیں کرو' تم نے یہ سب کیوں کیا؟" اس کی پیشانی پہ پڑے بل اس کے غصے کی گواہی دے رہے تھے۔

"کیونکہ میں آپ کو ابھی اس قابل نہیں سمجھتی کہ آپ کے ساتھ ہنی مون پہ جاؤں۔" اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ زیب منصور کا ہاتھ اس کے چہرے پہ انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا۔ وہ لڑکھڑا کے پیچھے جا گری تھی۔ وہ چہرے پہ ہاتھ رکھے ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے متواتر بہتے آنسو اور بھینچے ہوئے ہونٹ اس کی اذیت ظاہر کر رہے تھے۔

"آئندہ کچھ بھی ایسا کرنے سے پہلے یہ تھپڑ یاد رکھنا۔" اس کے پاس بیٹھ کر انگلی اٹھا کے وارن کیا' اس کے چہرے پہ تلخی سے بھرپور نظر ڈالی اور کمرے سے نکل گیا۔

زندگی ہر طرح سے جمود کا شکار ہوگئی تھی' دونوں گھروں میں خاموشی چھا گئی تھی۔ یقیناً بڑوں کو احساس ہو گیا تھا اور وہ ان دونوں کو سوچنے کا موقع دے رہے تھے مگر لائبہ قدیر اس شخص کی پرچھائی سے بھی دور رہنا چاہتی تھی۔

اس نے خود کو حالات کے دھارے پہ چھوڑا' دوستوں سے رابطے کیے اور یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا۔ اکثر یونیورسٹی جاتے ہوئے زیب منصور سے ٹکراؤ ہوتا مگر دونوں کے رویے ایک دوسرے کے لیے موسم کی طرح سرد تھے۔ ایک دوسرے کی طرف نظر ڈالنا بھی شجر ممنوعہ قرار پایا تھا۔ انہی دنوں اسے خبر ملی کہ زیب منصور کی پوسٹنگ اسلام آباد ہوگئی ہے تو نہ جانے کیوں دکھ کی لہر اس کے وجود میں سرایت کرگئی' تو وہ شخص اپنی انا کا اتنا پیارا تھا کہ کوئی نرم احساس اس کے دل میں جگہ نہ بنا پایا تھا۔

یونیورسٹی روڈ کے سارے درخت خزاں کے باعث ویران

ہو چکے تھے۔ درختوں کے پتے شاخوں سے بچھڑ کر زمین پہ بکھر چکے تھے ان زرد پتوں کی اپنی شاخ سے محبت تھی کہ وہ خود کو مٹا کر درخت نئے سرے سے آباد کر جاتے ہیں اور محبت کا ایسا وصف قدرت کسی کسی کو عطا کرتی ہے۔ زرد محبت خاص دلوں کو ودیعت کی جاتی ہے۔ سارے اسٹوڈنٹس ان پتوں کو روندتے ہوئے چلے جاتے اور وہ زرد محبت کی علامت سے پرے ہو کر گزرتی تھی۔

وہ مین گیٹ تک پہنچی تھی جب ایک کلاس فیلو اس کے پاس آیا وہ غائب دماغی میں نوٹس کیمپس کے لان میں بھول آئی تھی اور وہ بیچارا کہاں کہاں کی خاک چھان کر اس تک پہنچا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے تھینکس کہا تو احساس ہوا کہ وہ مسکرانا بھول گئی ہے۔ تو وہ شخص میری مسکراہٹ بھی لے گیا۔ وہ نوٹس لے کر مڑی تو اسے دور جاتے شخص پہ زیب منصور کا گمان ہوا مگر اپنے خیال کو جھٹکتے ہوئے بس اسٹاپ کی طرف چل دی۔ اس شخص کی منزل لائبہ قدیر کبھی بھی نہیں تھی مگر نہ جانے کیوں وہ کیوں ہر قدم ٹھٹھک کر رک جاتی تھی۔ انہیں سوچوں میں گھری گھر تک آئی تو وہ جانے کے لیے تیار تھا' سبھی الوداع کہنے کے لیے گیٹ تک آئے ہوئے تھے۔ دماغ کی ہزاروں دلیلوں کے باوجود چند لمحوں کے لیے اس کے قدم رکے تھے اور یہ پل دو پل کا رکنا مقابل محسوس نہ کرسکا تو وہ خاموشی سے آگے بڑھ گئی اس بات سے بے خبر کہ دو سلگتی نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

گھر والوں کے ہزار ہا روکنے کے باوجود وہ اسلام آباد چلا آیا تھا۔ سب کا خیال تھا کہ وہ حالات سے بھاگ رہا ہے اور درست خیال تھا۔ وہ دل کی ماننے سے منکر ہو رہا تھا اور دماغ کی ماننا نہیں چاہتا تھا' ایسے میں جگہ کی تبدیلی اسے ٹھیک لگی تھی مگر زرد موسم اور تنہائی نے اس کے اندر مزید اداسی بھر دی تھی۔ رخصتی کے لیے وہ بالکل تیار نہیں تھا' یہ طے تھا کہ ہونی ہے مگر اتنی جلدی کی اسے امید نہیں تھی۔ غصے میں آ کر اس نے لائبہ کو بیڈ سے اٹھا تو دیا تھا اگر وہ ساری رات کرسی پہ بے چین رہی تھی تو سو وہ بھی نہیں پایا تھا۔ کئی دفعہ اٹھ کے اسے دیکھا اور چاہا بھی کہ اس کو کمبل اوڑھا دے مگر ہر دفعہ قدم رک جاتے تھے۔

مائدہ کو لینے دانیال اور خالہ آئیں تو لائبہ بھی تیار تھی نہ جانے کیوں اسے خوشی ہوئی تھی لیکن جب دانیال نے مائدہ سے کہا کہ وہ بھی لائبہ کی طرح لمبے بال رکھے تو اس کی ساری خوشی ختم ہوگئی۔ اس نے پہلی دفعہ اسے غور سے دیکھا تو احساس ہوا اس کے بال واقعی بہت خوب صورت تھے۔ مہمانوں کے جانے کے بعد کمرے میں پہنچا تو وہ منہ ہاتھ دھو چکی تھی مگر دھلا دھلایا چہرہ بھی جاذبیت لیے ہوئے تھا۔ اس کا دل چاہا لائبہ کی تعریف کرے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں کر بھی دی مگر اس کی آنکھوں کے رنگ بدلتے دیکھ کر مائدہ کی مہندی والی رات چھم سے آنکھوں میں آن سمائی اور سارا منظر بدل گیا۔ وہ کیا کیا کہتا رہا اسے احساس ہی نہیں ہوا۔

ولیمے کی شاپنگ کے لیے اسے سارا بازار گھماتے ہوئے اس نے بارہا بات کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ وہ اسے اس رشتے کے لیے وقت دینا چاہتا تھا مگر سب کچھ الٹ ہو رہا تھا۔ پارلر پہ اس نے سارا آرڈر خود دیا تھا کیونکہ وہ اسے اپنی پسند کے مطابق تیار کروانا چاہتا تھا۔ اس نے ہمیشہ سے سوچ رکھا تھا کہ اپنی بیوی کو ساڑھی پہنائے گا اور اب اگر بیوی لائبہ قدیر تھی تو وہ خواہش کیوں بدلتا' ولیمے کے بعد وہ اچانک سب کے درمیان سے اٹھ کے چلی گئی تو اسے احساس نہیں ہوا مگر رات میں اسے کمرے میں نا پا کر بے انتہا غصہ آیا تھا۔ پھر لائبہ کے کمرے کی کھڑکی کھلی پا کر وہیں سے اندر داخل ہوا۔ وہ سوئی ہوئی اس قدر معصوم لگ رہی تھی کہ کچھ انوکھا سا احساس ہوا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب یہ سارا سلسلہ ختم کردے گا' زندگی بھی تو نارمل ہونی تھی تو آج سے کیوں نہیں؟ مگر پھر سب کچھ بگڑتا چلا گیا۔

وہ آئی اور ہنی مون کا پلان تباہ کر گئی' ابو کے سامنے سارا الزام اس کے سر ڈال گئی۔ وہ سب کچھ برداشت کرلیتا مگر اپنے لیے اس کے الفاظ اسے اذیت میں مبتلا کر گئے تھے اور نہ جانے کیسے اس کا ہاتھ اٹھا اور وہ ہو گیا جس نے کئی دن نیند اس کی آنکھوں سے دور رکھی تھی۔ وہ چاہ کر بھی لائبہ قدیر سے معافی نہیں مانگ پا رہا تھا اور اس کی بے رخی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ پاس سے ایسے گزر جاتی جیسے تعلق کی کوئی ڈور ان دونوں کے درمیان نہیں' انہی سوچوں میں اسلام آباد جانے کا دن آ پہنچا تو دل کی تاویلوں کو مانتے ہوئے اس کی یونیورسٹی چلا آیا مگر لائبہ قدیر کو کسی کے ساتھ دیکھنا اس کی برداشت سے باہر تھا۔ عجب زرد سا ان کا تعلق تھا۔ پاس رہنا بھی نہیں اور دور ہونا بھی نہیں۔

اسلام آباد میں دس دن بھی مشکل سے کٹے تھے یادوں کا تسلسل ایک لمحہ نہیں ٹوٹا تھا۔ تنہائی میں ہر پل اسے سوچا جس سے دوری خود اس کی پسند تھی اور بالآخر ویک اینڈ پہ وہ واپس جا رہا تھا۔ وہ دس دن بعد واپس آیا مگر اسے صدیوں کا سفر لگ رہا تھا۔

گھر سے ہوکر چچی جان کی طرف آیا مگر وہ کہیں بھی نہیں تھی۔ سب کے پاس بیٹھ کر وہ واپس آگیا' کچھ گھنٹوں بعد مائدہ بھی آگئی تو گھر میں رونق ہوگئی تھی۔ اس کے جانے کی تیاری مکمل تھی اور وہ چند دن یہاں گزارنے آئی تھی۔

وہ کمرے کی کھڑکیاں کھولے چچا کے پورشن کی طرف دیکھنے میں محو تھا کہ شاید اس کی ایک جھلک نظر آجائے جب کہ کمرے میں کھٹکا ہوا۔ مائدہ آہستگی سے چلتے ہوئے اس کے ساتھ آکھڑی ہوئی۔

''بھائی مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔'' مائدہ کے لہجے نے اسے پریشان کردیا تھا۔

''ایسی کون سی بات ہے جو تم پریشان ہورہی ہو؟'' وہ الجھا تھا۔

''لائبہ کو ہمیشہ میں نے بھابی کی صورت میں دیکھا تھا' آپ کے ساتھ مجھے وہ شروع سے اچھی لگتی تھی مگر امی کے ساتھ آپ کی گفتگو مجھے گہرے دکھ میں مبتلا کرگئی' آپ کی ساری باتیں لائبہ نے بھی سن لی تھیں۔ آپ کی باتوں نے مجھ سے میری دوست چھین لی تھی' میری کئی کوششوں کے بعد بھی وہ نارمل نہیں ہوپارہی تھی اور ایسے میں بھابی کی بہن کو پسند کرکے آپ نے مجھے اور تکلیف دے دی تھی۔ اب میرے پاس ایک ہی راستہ تھا جو میں نے اپنایا' جو میں نے چاہا تھا وہ ہوگیا مگر میں آپ کو خوشیاں نہیں دے سکی۔ شاید میری سوچ حماقت کے سوا کچھ نہیں تھی۔ پلیز مجھے اس سب کے لیے معاف کردیں۔'' مائدہ ان دونوں کی حالت دیکھ کر از حد دکھی ہوگئی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں' تم پریشان مت ہو۔ تمہارا طریقہ غلط تھا مگر ہمارا ساتھ یونہی لکھا تھا۔'' آج آخری کانٹا بھی اس کے دل سے نکل گیا تھا۔

مائدہ کو تو مطمئن کردیا تھا مگر سب سے اہم مرحلہ باقی تھا اور بنا وقت ضائع کیے وہ اس کے سامنے تھا۔ لائبہ قدیر کی آنکھوں میں حیرت کے رنگ اترے تھے۔

''میں تمہیں لینے آیا ہوں۔'' بہت کچھ کہنے کی خواہش رکھنے کے باوجود صرف یہ ہی الفاظ نکلے تھے۔ لائبہ قدیر بالکل ساکت کھڑی تھی اور لمحے کے ہزارویں حصے میں اسے بات سمجھ آگئی تھی۔

''آج میں خود تمہیں سراہنا چاہتا ہوں' کیا مسز لائبہ زیب منصور مجھے ایک اور موقع دیں گی؟'' اس کا ہاتھ پکڑے وہ ملتجی ہوا۔

اس نے اپنے ہاتھ جھٹکے اور زیب منصور کو دونوں ہاتھوں کے زور سے پیچھے دھکیل دیا' وہ اسی سلوک کا حق دار تھا۔

''مجھے جتنا چاہے دھتکارلو برا بھلا کہہ لو مگر معاف کردو۔'' وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا اور لائبہ قدیر جی جان سے چونکی۔

''جتنے چاہے تھپڑ مارلو مگر میری محبت قبول کرلو۔'' اس نے اپنا چہرہ پیش کیا۔

لائبہ قدیر کی ساری انا ریت کی طرح مٹھی سے پھسل گئی تھی۔ وہ روتے ہوئے زیب منصور کے سامنے بیٹھ گئی کہ آج اسے اس شخص کے سامنے رونے میں کوئی عار نہیں تھا۔ محبوب کے سامنے درد بہانے پہ مرہم بھی سب سے اعلیٰ ملتا ہے۔

''آپ بہت برے ہیں۔''

''تم بہت اچھی ہو۔''

''آپ بہت ظالم ہے۔''

''میرا ظلم تمہاری محبت کی تپش میں بہہ گیا......''

''آپ بےوفا ہیں۔''

''اب میں تم سے وفا سیکھوں گا۔''

''آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔''

''مجھے تم سے زرد موسم کے پتوں سی زرد محبت ہے' میں تمہارے لیے مٹ سکتا ہوں۔''

''آپ کو میری محبت میں قائم رہنا ہے۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں۔''

چھوٹے سے کمرے میں سنہرے وعدوں کی گونج سنائی دینے لگی تھی۔ لائبہ قدیر نے زیب منصور کے کندھے پہ سر ٹکایا۔

لائبہ قدیر اور زیب منصور۔ ملن یقینی تھا' وصل مقدر تھا' ہجر عارضی تھا۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM